سلسلۂ غنیۃ البیانات وکیل ٹریڈنگ کمپنی لمیٹڈ امرتسر

نمبر (۵۲)

کتاب الزکاۃ

تالیف

عبداللہ العمادی

مطبوعہ

وکیل بازار سٹیم پریس امرتسر

شیخ عبدالعزیز پرنٹر کے اہتمام سے چھپا

تعداد ایک ہزار ... قیمت فی جلد دو آنے ... ۲/

تقدمہ

الی الّذی خلقنی فھو یھدین۔ والّذی ھو یطعمنی ویسقین۔ واذا مرضتُ فھو یشفین والّذی یمیتنی ثمّ یحیین۔ والّذی اطمع ان یغفرلی خطیئتی یوم الدّین۔ ربّ ھب لی حکمًا وّالحقنی بالصّٰلحین۔ واجعل لی لسان صدقٍ فی الاٰخرین۔ واجعلنی من ورثۃ جنّۃ النّعیم۔ ولاتخزنی یوم یُبعثون۔ یوم لاینفع مالٌ ولابنون۔ الّا من اتی اللّٰہ بقلبٍ سلیم۔

ربّ تقبّل منّی ھٰذا الکتٰب الصّغیر واھدِ بہٖ قومی فانّھم لایعلمون۔ وصیّرہ ھدیً وذکریٰ للمومنین لعلّھم یتذکرون واجعلہ خالصًا لوجھک الکریم۔ برحمتک یارحمٰن یارحیم۔

امرتسر۔ فی ۱۱ شعبان (۱۷۔ اوغسطس)
۱۳۲۸ھ
۱۹۱۰م

عبدک وابن عبدک وابن امتک اللّٰھم
(عبدالصمد العاوی)

بسم اللہ رب العالمین
وسلام علی عبادہ المصطفین

پہلا باب

اصول تعاون

هَآ اَنْتُمْ هٰؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَمِنْكُمْ مَّنْ یَّبْخَلُ وَمَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ۔ (سورہ محمدؐ۔ آیت ۳۵۔ جزو ۲۶۔ حٰم تنزیل الکتاب)

(تم لوگ سن رکھو کہ تم کو خدا کی راہ میں (اپنے ہی فائدے کے لئے) خرچ کرنے کو بلایا جا رہا ہے۔ اسپر بھی تم میں سے (بہتیرے) ہیں جو بخل کرتے ہیں۔ اور جو بخل کرتا ہے تو حقیقت میں خود اپنے سے بخل کرتا ہے ورنہ اللہ تو بے نیاز ہے۔ اور تم (اس کے) محتاج ہو۔ اور اگر تم (خدا کے حکم سے) روگردانی کرو گے تو (خدا) تمہارے سوا دوسرے لوگوں کو (تمہاری جگہ) لا بٹھائے گا۔ پھر وہ تم جیسے (تنگ دل) نہیں ہونگے)

قانون قدرت کا فیصلہ یہ ہے کہ دنیا میں وہی قوم زندہ رہ سکتی ہے جس کو اپنی زندگی کے وسائل فراہم کرنے کی توفیق ملی ہو۔ بابل کی عظیم الشان سلطنت کو یاد کرو اُس کے حیرت خیز تمدن کو دیکھو۔ دنیا کی وہ مشہور ترین قوم جس نے اپنی کلوں اور ایجادوں اور علم و فضل و تہذیب و شائستگی کے ذرایع سے عراق کو نمونۂ بہشت بنا رکھا ہو۔ جس کی عجیب و غریب مدنیت نے اُس لق و دق میدان میں جو آج کوفہ کا میدان مشہور ہے تمدنی و عمرانی حیثیتوں سے لندن و پیرس دونوں کے عجائبات وہاں جمع کر رکھے ہوں جس کے باغ آویزاں اور جسر لرزاں کی نظیر چار ہزار برس گذرنے پر بھی زمانہ پیش نہ کر سکا جو اپنے جاہ و جلال و سطوت و جبروت کے زعم پر خدائی کی دعویدار رہی ہو۔ اور جس کی رفعت و شان و سربلندی کے افسانے آسمانی کتابوں میں بھی مذکور رہوں۔ اتنی بڑی اُلوالعزم قوم کی ایسی شاندار ترقیاں کس طرح خاک میں مل گئیں۔ اور کیا سبب ہوا کہ اب دنیا میں اس قوم کا ایک فرد بھی موجود نہیں سلطنتیں قائم ہوتی ہیں اور مٹ جاتی ہیں۔ تمدن کے جھونکے آتے بھی ہیں اور چلے بھی جاتے ہیں۔ ترقی کا میدان وسیع بھی ہوتا ہے اور تنگ بھی ہو جاتا ہے لیکن بایں ہمہ تنزل اور خودفراموشی کی انتہائی مصیبتیں بھی کسی قوم کو یکبارگی فنا کر دینے میں کامیاب نہیں ہوئی ہیں۔ آریوں نے باختر سے نکل کر ہندوستان کا رخ کیا اور اُس قدیم ترین زمانے کے ہندوستانی باشندوں کو جنہیں عرف عام میں غیر آریہ کہا جاتا ہے اُن کے مقدس وطن سے بے دخل ہی نہیں کیا بلکہ اپنی بہترین طاقتوں کی کوششوں کا یہی ایک مرکز بنا رکھا تھا کہ جس طرح بھی ہو سکے یہ قوم برباد ہو جائے۔ یہ جابرانہ حملے ہزاروں برس مسلسل رہے مگر اتنے بڑے مقابلے میں بھی یہ وحشی قوم ہمت نہ ہاری اور آریوں کو اُس کے فنا کر دینے میں تین ہزار برس کی طویل صدیاں بھی مدد نہ دے سکیں

آج بھی پہاڑوں کے دامن میں اس قوم کی یادگاریں چھپی ہوئی ہیں اور بھیل اور گونڈ
اور بھر کے نام سے گویا ہندوستان پر اپنی قوم کی ملکیت کا ثبوت دینے کے لئے موجود
ہیں۔ پھر کیا بات ہوئی کہ ان پیہم سخت گیریوں پر بھی اس وحشی قوم سے اب تک دنیا خالی نہیں
ہوئی۔ اور وہ قوم ایسی مٹی کہ زمانہ میں اُس نسل کا کوئی نام لینے والا بھی نہیں رہا؟

اس عقدہ کو حل کرنے کے لئے قیاسات کے دامن میں پناہ لینے کی ضرورت نہیں
ہے۔ واقعات پر غور کرنے سے یہ راز خود بخود واضح ہو جاتا ہے۔ موسیو مورگن نے محکمۂ
آثار قدیمہ کے حکم سے بابل و نینوی کی قدیم یادگاروں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ڈھونڈ نکالا ہے
اینٹ اور پتھر کی سلوں پر خط تصویری میں صدہا کتابیں ہیں جن کا ترجمہ محکمۂ مذکور نے کئی سال
کی محنت میں شائع کیا ہے۔ اس ترجمہ کے جستہ جستہ مضامین سے صاف اندازہ ہوتا ہے
کہ اہل بابل میں خود غرضی و خود پسندی کی روح پھیلتی جاتی تھی۔ اپنی قوم کے مستحقین کی نفع
رسانی کا کوئی باقاعدہ انتظام نہ تھا اور غیر منتظم شکل میں بھی جو لوگ حاجتمندوں کی امداد کے
خوگر تھے اُن کی تعداد بھی روز بروز کم ہوتی جاتی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ آخری زمانے میں یہ
روش عام ہو گئی تھی اور ملک بھر میں کوئی ایسا نہ تھا جس کو اپنی فکر سے اتنی مہلت ملتی کہ
اپنے درماندہ و بے کس بھائیوں کی مشکلیں محسوس کرکے اُن کی دستگیری کے لئے کسی
معقول انتظام کی تحریک کرتا۔ ایسی افسوسناک حالتیں جب کبھی کسی قوم میں وسیع ہو گئی ہیں
تو اُن کا ازالہ اُسی وقت ہوا ہے جب خود وہ قوم بھی ساتھ ہی فنا ہو گئی ہے۔ قدرت نے
اہل بابل کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیا اور اسی قانون کے اثر نے آخر اس قوم کو ایسا برباد
کیا کہ اس انسانی نسل کی تمام یادگاریں ہمیشہ کے لئے معدوم و منقطع ہو گئیں۔ ہندوستان
کے غیر آریوں کی یہ حالت نہ تھی۔ بے شک وہ وحشی تھے غیر متمدن تھے۔ زمانے کے

ساتھ ساتھ چلنے کے اصول سے بیخبر تھے اور اُن میں اتنا بل بوتا بھی نہ تھا کہ آریوں
کی زبردستیوں کا مقابلہ کرسکتے۔ لیکن ان سب کمزوریوں کے ساتھ ایک اس بات کا نور
بھی تھا کہ اپنے آپس میں جس کو حاجتمند دیکھتے اُس کی حاجت روائی کی کوئی نہ کوئی
تدبیر ضرور کرلیتے۔ گو یہ کوشش کسی باقاعدہ شکل میں نہ تھی مگر بعض حالتوں میں مفید تدبیریں
بے قاعدگی کے ساتھ بھی جان بچانے کے لئے کافی ہوجاتی ہیں۔ سردیوں میں تم نے
دیکھا ہوگا کہ جنگلوں میں درختوں کے تلے ان وحشی اقوام کے چھپر پڑے ہیں آگ
روشن ہے۔ ایک شخص اُٹھتا ہے حشرات الارض کو پکڑ لاتا ہے۔ سب کے سب
بھونتے ہیں اور مل جل کر کھاتے ہیں۔ اقوام یورپ تو بڑی ترقی یافتہ قومیں ہیں اُن کے
حکیمانہ وسائل زندگی کا کہنا ہی کیا ہے۔ ہندوستان ہی پر نظر ڈالو۔ بمبئی و سورت
کے مجوسیوں (پارسی یا پیروانِ زرتشت) کو تم نے بارہا دیکھا ہوگا اور اُن کی خوشحالی
کے تذکرے بھی کئے ہوں گے۔ کچھ تم نے یہ بھی سوچا کہ رستم کا گرز۔ فریدوں کا درفش
کاویانی۔ کیخسرو کا جام جہان نما۔ نوشیرواں کا تاج و تخت جس قوم سے چھن گیا ہو اور وہ
پردیس میں غربت کی زندگی بسر کر رہی ہو۔ کیا سبب ہے کہ اُس کی قومیت میں ابھی تک
زوال نہیں آیا۔ اس سوال کا جواب خود مجوسیوں کے طرز عمل سے مل رہا ہے۔ اُنھوں نے
اپنی آبادیوں کے مرکز میں باقاعدہ مجلسیں قایم کر رکھی تھیں جو اب نہایت ترقی پر ہیں اور
تمام قوم ان سے وابستہ ہے۔ ہندوستان کے کسی گوشہ میں کوئی مجوسی مفلس ہوگیا ہو
انجمن اپنے رجسٹر معلومات کے ذریعے سے اُس کا پتہ لگا کر فوراً بسر اوقات کے لئے کوئی نہ کوئی
انتظام کردے گی۔ غریب خاندانوں کو تعلیم دلانا اور جن کا کوئی ذریعہ نہ ہو اُن کے معاش کا
سامان کرنا اس انجمن کے فرائض میں داخل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طرح طرح کے مصائب

ومشکلات کا مقابلہ کرنے پر بھی یہ قوم زندہ ہے اور زندہ دلی کے تمام آثار اس میں موجود ہیں۔ دنیا کی زندہ و مُردہ اقوام کی اگر کوئی تاریخ لکھی جائے اور اُن کی موت وحیاۃ کے اسباب وعلل پر فلسفۂ تاریخ کی روشنی ڈالی جائے تو صاف نظر آئے گا کہ ہر ایک زمانہ میں اور ہر ایک مقام پر جس قدر قومیں زندہ ہوئی ہیں یا مٹ گئی ہیں اس خاص سبب کا اُن تمام اقوام کی ہستی ونیستی میں ایک بہت بڑی حد تک دخل رہا ہے۔ اسی نظام کے تحت میں رہ کر اُنھوں نے ترقی کی ہے اور پھر اسی نظام کی بربادی اُن کے تنزل و بربادی کا پیش خیمہ بنی ہے۔

اسلام کے روبرو یہ تمام نظیریں موجود تھیں اور شارع اسلام نے اچھی طرح اندازہ کر لیا تھا کہ گردوپیش کی صدہا قومیں کیونکر بنیں اور کس طرح بگڑیں۔ اسلام کے قانون الٰہی یعنی قرآن کریم نے اس مسالہ پر کافی توجہ کی اور تصریح کر دی کہ اسلام کا جزو اعظم یہ ہے کہ معقول پیرایہ میں حاجتمندوں کی حاجت روائی کی جائے۔ وحی الٰہی نے اس قاعدہ کو اسلام کا اصولی قاعدہ قرار دیا اور اس کا نام علمی زبان میں اصول تعاون رکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس اصول کی پابندی کی نسبت مسلمانوں کو اتنی تاکید کی ہے کہ بہت کم فرائض کی نسبت ایسے جوش وخروش کے احکام مذکور ہوں گے۔ ملاحظہ ہو:

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۔ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۔ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ

جو لوگ اپنے مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُن کی (صدقہ کی) مثال اُس دانہ کی سی ہے جس سے سات خوشے پیدا ہوئے۔ ہر ایک خوشے میں سو دانے۔ اور اللہ برکت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اور اللہ بڑی گنجائش والا

أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ
مَا أَنْفَقُوا مَنًّا وَّلَا أَذًى لَّهُمْ أَجْرُهُمْ
عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُونَ۔ قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ
مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَا أَذًى۔ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ
حَلِيمٌ۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا
صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى كَالَّذِي
يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ۔ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ
صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ
وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا۔ لَا يَقْدِرُونَ
عَلَى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ۔ وَمَثَلُ
الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ
ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيتًا
مِّنْ أَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ
بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ
أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ۔ فَإِنْ لَّمْ يُصِبْهَا
وَابِلٌ فَطَلٌّ۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

(اور وہ ہر ایک چیز کے حال سے) واقف ہے
جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے
ہیں پھر خرچ کئے پیچھے (کسی طرح کا) احسان
نہیں جتاتے اور نہ (لینے والے کو کسی طرح کی)
ایذا دیتے ہیں ان کو ان (کے دینے کا) ثواب
ان کے پروردگار کے ہاں ملیگا اور (آخرت
میں) نہ تو ان پر (کسی قسم کا) خوف (طاری)
ہوگا اور نہ وہ (کسی طرح پر) آزردہ خاطر ہونگے
نرمی سے جواب دے دینا اور (سائل کے اصرار
سے) درگزر کرنا اس صدقہ سے بہت بہتر ہے
جس کے (دینے) پیچھے (سائل کو کسی طرح کی)
ایذا ہو۔ اور اللہ بے نیاز (اور) بردبار ہے۔
مسلمانو اپنے صدقہ کو احسان جتانے اور
(سائل کو) ایذا دینے سے اس شخص کی طرح
اکارت نہ کرو جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے
کے لئے خرچ کرتا ہے اور اللہ کا اور روز آخرت
کا یقین نہیں رکھتا تو اس کی (خیرات کی) مثال
اس چٹان کی سی ہے کہ اس پر (کچھ تھوڑی
سی) مٹی (پڑی) ہے پھر اس پر بڑا زور کا

بَصِيرٌ۔ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ
لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيلٍ وَّاَعْنَابٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ لَهٗ
فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَاَصَابَهُ
الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ
فَاَصَابَهَا اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ
فَاحْتَرَقَتْ۔ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ
اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ
يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا
مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ
وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ
الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ
مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ
بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ۔
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ۔
اَلشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ
وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰهُ
يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا۔
وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ

مینھ اور اس کو سپاٹ کر کے بہا گیا۔ (اسی
طرح) ریاکاروں کو اس (خیرات) میں سے جو
انھوں نے کی تھی کچھ بھی ہات نہیں لگیگا۔
اور اللہ ان لوگوں کو جو (نعمت کی) ناشکری
کرتے ہیں ہدایت نہیں دیا کرتا۔ اور جو لوگ
خدا کی رضاجوئی کے لئے اور اپنی نیت ثابت
رکھ کر اپنے مال خرچ کرتے ہیں انکی مثال ایک
باغ کی سی ہے جو اونچے پر (واقع) ہو۔ اس پر
بڑا زور کا مینھ تو وہ دوچند پھل لایا۔ اور اگر
اس پر زور کا مینھ نہ (بھی) پڑا تو (اس کو) ہلکی
پھوار (بھی بس کرتی ہے) اور تم لوگ جو کچھ بھی
کرتے ہو اللہ (اس کو) دیکھ رہا ہے۔ بھلا تم
میں سے کوئی بھی اس بات کو پسند کرے گا کہ
کھجوروں اور انگوروں کا اس کا ایک باغ ہو
اس کے تلے نہریں (پڑی) بہ رہی ہوں۔ ہر
طرح کے پھل اس کو وہاں میسر ہیں اور بڑھاپے
نے اس کو آلیا اور اسکے (چھوٹے چھوٹے)
ناتوان بچے ہیں۔ اب اس باغ پر چلا ایک بگولا
جس میں (بھری) تھی آگ تو باغ جل بھن کر رہگیا

مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ
فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۔
وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۔
وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ
اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ
اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ۔ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ
مِنْ اَنْصَارٍ ۔ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ
فَنِعِمَّا هِيَ ۔ وَاِنْ تُخْفُوْهَا
وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ
لَّكُمْ ۔ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۔
لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ
اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۔
وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ
وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ
وَجْهِ اللّٰهِ ۔ وَمَا تُنْفِقُوْا
مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ
لَا تُظْلَمُوْنَ ۔ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ
اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اسی طرح اللہ (اپنے) احکام کھول کھول کر بیان
کرتا ہے تاکہ تم غور کرو۔ مسلمانو! (خدا کی راہ میں)
عمدہ چیزوں میں سے خرچ کرو۔ تم نے (تجارت
وغیرہ سے) آپ کمائی ہوں تو بھی اور ہم نے
تمہارے لئے زمین سے پیدا کی ہوں تو بھی
اور ناکارہ چیز کے دینے کا ارادہ بھی نہ کرنا کہ لگو
اُس میں سے خرچ کرنے۔ حالانکہ (وہی چیز
کوئی تم کو دینی چاہے تو) تم اُس کو (کبھی خوش
دلی سے) نہ لو۔ مگر یہ کہ (دیدہ و دانستہ) اُس کے
لینے میں چشم پوشی کرو۔ اور جانتے رہو کہ اللہ
بے نیاز (اور) سزاوار حمد (وثنا) ہے شیطان
تم کو تنگدستی سے ڈراتا اور شرم کی بات (یعنی
بخل) پر برانگیختہ کرتا ہے اور اللہ اپنی طرف سے
(قصوروں کی) معافی اور برکت کا تم سے وعدہ
فرماتا ہے اور اللہ (بڑی گنجائش والا اور سب کے
حال سے) واقف ہے جسکو چاہتا ہے (بات
کی) سمجھ دیتا ہے اور جسکو (بات کی) سمجھ دی گئی تو
بیشک اُس نے بڑی دولت پائی۔ اور نصیحت
بھی وہی مانتے ہیں جو ذی فہم ہیں۔ اور جو خرچ

لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ۔ تَعْرِفُهُمْ بِسِیْمٰهُمْ لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا۔ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ۔ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۔

(سورۃ البقرہ۔ جزو ۳ تلک الرسل آیت ۲۶۱ تا ۲۷۴)۔

بھی تم (خدا کی راہ میں) اُٹھاؤ یا (اُس کے نام کی) کوئی منت مانو وہ (سب) اللہ کو معلوم ہے اور جو لوگ (غیر خدا کی منت وغیرہ مانکر خدا کا) حق مارتے ہیں کوئی اُن کا مددگار نہ ہوگا۔ (لوگو!) اگر صدقہ ظاہر میں دو تو وہ بھی اچھا (کہ اس سے دوسروں کو بھی ترغیب ہوتی ہو) اور اگر اسکو چھپاؤ اور حاجتمندوں کو دو تو یہ تمھارے حق میں زیادہ بہتر ہے (کہ اس میں نام و نمود کا دخل نہیں ہونے پاتا) اور (ایسا دینا تمھارے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔ اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اُس سے خبردار ہے (اے پیغمبر) ان لوگوں کو راہ راست پر لانا تمھارے ذمے نہیں بلکہ اللہ جسکو چاہتا ہے راہ راست پر لاتا ہے۔ اور تم لوگ (اپنے مال میں سے جو کچھ بھی (فی سبیل اللہ) خرچ کروگے تم کو پورا پورا بھر دیا جائیگا اور تمھارا (کچھ) حق نہ مارا جائیگا۔ (صدقہ تو) اُن حاجتمندوں کا حق ہے جو اللہ کی راہ میں گھر بیٹھے ہیں ملک میں کسی طرف کو (جانا چاہیں تو) جا نہیں سکتے (جو شخص اُن کے حال سے) بے خبر (ہے وہ) اُنکی

خودداری (کی وجہ) سے اُن کو غنی سمجھتا ہو
(لیکن) تو (اُن کو دیکھے تو) اُن کی صورت سے
اُنھیں صاف پہچان جائے (کہ محتاج ہیں۔ مگر ہاں)
لگ لپٹ کر لوگوں سے نہیں مانگتے۔ اور جو کچھ بھی
تم لوگ (اپنے) مال میں سے (فی سبیل اللہ)
خرچ کروگے تو (خوب یقین رکھو کہ) اللہ اُس کو
جانتا ہے۔ جو لوگ رات اور دن چھپے اور ظاہر
اپنے مال (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں تو
اُن (کے دیئے) کا ثواب اُن کے پروردگار کے
ہاں اُن کو ملیگا اور اُن پر نہ (تو کسی قسم کا) خوف
(طاری) ہوگا اور نہ وہ (کسی طرح) آزردہ خاطر ہونگے

اِن آیتوں سے کئی باتوں پر روشنی پڑتی ہے :-

(۱) اللہ کی راہ میں دینے کا بہت ہی بڑا ثواب ہے ؛

(۲) اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے خسارہ میں نہ رہیں گے۔ اُن کو کئی کئی گونہ زائد بدلہ ملے گا۔ اور خوف و رنج کی باتوں سے محفوظ رہیں گے ؛

(۳) اللہ کی راہ میں دے کر احسان جتانا اور حاجتمند کو ستانا بہت بُرا ہے۔ اس سے نیکی برباد ہو جاتی ہے ؛

(۴) لوگوں کے دکھانے کے لئے خرچ کرنا سخت قابل ملامت امر ہے ؛

(۵) اللہ کی راہ میں بُری چیز نہ دینی چاہیئے ؛

(۶) یہ خیال غلط ہے کہ اللہ کی راہ میں دینے سے ہم محتاج ہو جائینگے۔

(۷) اللہ کی راہ میں جو کچھ دیا جاتا ہے اُن سب کا علم اللہ کو ہے۔

(۸) علانیہ اور پوشیدہ دونوں صورتوں سے دینا درست ہے۔ مگر چپ چپاتے دینا سب سے اچھا ہے۔

(۹) اللہ کی راہ میں دینے سے دینے والے ہی کو فائدہ ملے گا۔

(۱۰) اس کے مستحق وہ حاجتمند ہیں جو اپنی خودداری کی وجہ سے بظاہر بے نیاز نظر آتے ہوں اور اللہ پر بھروسا کئے بیٹھے ہوں۔

(۱۱) صدقہ مانگنے کے لئے لوگوں کے پیچھے پڑ جانا بہت بُرا ہے۔

(۱۲) گداگروں اور بھیک مانگنے والوں کو صدقہ دینا اچھا نہیں۔

(۱۳) بہترین خیرات وہ ہے جو دن رات ہو یعنی خیر جاری کی طرح ہمیشہ اُس کا سلسلہ وسیع رہے۔

(۱۴) خیر جاری کرنے والوں کو خدا پورا پورا معاوضہ دیگا اور وہ اچھی طرح خوش کئے جائینگے۔

انھیں آیتوں کے ساتھ اگر وہ آیت بھی شامل کرلی جائے جو ہماری تحریر کا عنوان ہے تو اُس سے دو نہایت اہم نتیجے نکلتے ہیں:۔

(۱۵) اللہ کی راہ میں دیتے ہوئے بخل سے کام لینا خود ہمارے لئے نقصان کی بات ہے۔ اللہ کو ہمارے صدقہ خیرات کی احتیاج نہیں ہے۔ وہ تو بے نیاز ہے ہمیں اُس کے محتاج ہیں اور اس دینے میں ہمارا ہی فائدہ ہے۔

(۱۶) اگر ہم نہ دینگے اور اللہ کے اس حکم سے مونھ پھیر لینگے تو اللہ بجائے ہمارے کسی دوسری قوم کو لا بٹھائے گا یعنی ہم فنا کردیئے جائینگے۔

آخری نتیجہ کو جو وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم کا خلاصہ ہے پڑھو اور

پھر پڑھو۔ سوچو اور اچھی طرح سوچو کہ اصول تعاون کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ قوم کی موت وحیات اسی پر منحصر ہے۔ زندہ وہی قوم رہیگی جو اس ضابطہ کی پابند ہوگی۔ ورنہ قانون قدرت اُس کو فنا کردے گا اور کسی دوسری قوم کو اُس کا قائم مقام بنا دیگا۔ اس حالت میں مسلمانوں کو اختیار ہے کہ اپنی زندگی کو ترجیح دیتے ہوں تو حاجتمندوں کی حاجت روائی کا انتظام کریں۔ ورنہ جو کیفیت اس وقت ہے یہ زیادہ دیر تک رہنے والی نہیں ہے۔ موت اس کے ساتھ لگی ہے اور اندیشہ ہے کہ جس طرح چار ہی سو برس میں ہندوستان کی سرزمین تیموریوں کے عظیم الشان تمدن کو کھا گئی کہیں چالیس برس کے اندر اندر مسلمانوں کی قوم ہی نہ اسی تباہی وخستگی کی نذر ہو جائے؎

برلب بحر فنا منتظریم اے ساقی
فرصتے داں کہ زلب تا بدہاں ایں ہمہ نیست

دوسرا باب

اسلام نے اصول تعاون کو کیونکر ترقی دی

وَقَالَ اللّٰہُ اِنِّیْ مَعَکُمْ۔ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّکٰوۃَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْھُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُکَفِّرَنَّ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَلَاُدْخِلَنَّکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ۔ فَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ مِنْکُمْ فَقَدْ ضَلَّ

سَوَآءَ السَّبِیْلِ۔ (سورۃ المائدہ۔ جزو ۶ ۔ لایحب اللہ۔ آیت نمبر ۱۲۔)

(اور اللہ نے فرمایا کہ ہم تمھارے ساتھ ہیں اگر تم (درست طور پر) نمازیں پڑھتے اور زکاۃ دیتے اور ہمارے پیغمبروں پر ایمان لاتے اور اُن کی مدد کرتے اور خوش دلی سے خدا کو قرض دیتے رہو گے تو ہم ضرور بالضرور تمھارے گناہ تم (پر) سے دور کر دینگے اور ضرور تم کو (بہشت کے) ایسے باغوں میں (لے جا) داخل کرینگے جن کے نیچے نہریں (پڑی) بہ رہی ہونگی اس کے بعد (بھی) جو تم سے انحراف کریگا تو (خوب سمجھے رہنا کہ) سچ مچ وہ سیدھے رستے سے بھٹک گئے)

اسلام کا اصول یہ ہے کہ دنیا کے لئے جو کام مفید ہوتے ہیں اور جن پر اہل دنیا کی کامیابی منحصر ہوا کرتی ہے۔ وہ اپنے پیرووں کو اس قسم کے کاموں کی جانب ترغیب سے۔ ترہیب سے۔ وعدہ وعید سے۔ غرض جس طرح بھی مناسب ہوتا ہے ادھر مائل کرتا ہے جس کام میں نوع انسان کے لئے سب سے زیادہ فائدے مضمر ہوتے ہیں وہی فرض قرار پاتا ہے کہ اس پابندی کے ذریعے سے لوگوں کو فلاح ہو۔ اور جس میں اتنا فائدہ نہیں ہوتا اس کو درجہ بدرجہ سنت۔ نفل۔ مستحب۔ وغیرہ کے مراتب میں جگہ ملتی ہے۔ حاجتمندوں کی ضرورتوں کے رفع کرنے اور ایک منتظم شکل میں اس کام کو چلانے پر مسلمانوں کی قومیت قائم رہنے کا انحصار تھا اور کوئی ایسی صورت نہ تھی کہ بغیر اس ضابطہ کے اسلامی شائستگی دنیا میں سنبھلی رہ سکے۔ اسلئے وحی الٰہی نے اس کی پابندی فرض قرار دی اور قرآن کریم کی تعلیمات نے اس فرض پر اتنا زور دیا کہ ایک عظیم الشان اہمیت اس کو حاصل ہو گئی۔ مسلمان اس راہ میں جو کچھ دیتے در اصل اس میں انہیں کا فائدہ تھا۔ با ایں ہمہ وہ اللہ کی راہ میں دینا ٹھہرا اور اس کے لئے ذیل کے احکام مقرر ہوئے:۔

(۱) اللہ کی راہ میں جو کچھ دیا جائے اُس کا شرعی نام صدقہ ہے۔ صدقہ کی دو صورتیں ہیں۔ ایک وہ جو ہر شخص اپنی خواہش اور حیثیت اور اقتضای حالت کے مطابق دیتا ہو۔ اس میں رقم یا مقدار کی کوئی پابندی نہیں۔ جو جس کے جی میں آئے خیرات کرے۔ دوسرے وہ جس میں تمام مالدار مسلمان پابند ہیں کہ اپنی قوم کے فائدہ کے لئے ہر سال ایک خاص مقدار میں ٹیکس ادا کرتے رہیں۔ اس ٹیکس کا نام زکاۃ و صدقہ فطر ہے اور اس پر عمل درآمد رکھنا یا ترک کر دینا کفر و اسلام کا معیار قرار دیا گیا ہے۔

(۲) ہر ایک آسودہ حال مسلمان پر زکاۃ فرض ہے۔ اور جب تک یہ فرض ادا نہ ہو اُس کی تمام عبادتیں اور نیکیاں بے سود ہیں (شریعت نے آسودگی کا ایک نصاب متعین کر دیا ہے جس کو ہم بعد میں لکھینگے)

(۳) زکاۃ دینے سے مال و دولت کا بقیہ حصہ پاک ہو جاتا ہے۔ اور اگر نہ دی جائے تو وہ مال ناپاک محض ہے (لفظ زکاۃ کا مفہوم بھی یہی ہے)

(۴) خیرات و زکاۃ میں دولت کو صرف کرنا گویا خدا کو قرض دینا ہے۔ اس کی وجہ سے انسان کی بخشایش ہوتی ہے اور کمزوریاں بخش دی جاتی ہیں۔

(۵) جو اس سے انحراف کرے گا وہ گمراہ ہے۔

اِن احکام کی بنا پر زکاۃ کے لئے ایک خاص نظام تجویز ہوا اور ایک مخصوص محکمہ سے اُسکو متعلق کیا گیا۔ اس محکمہ کا نام بیت المال تھا اور اس کا باقاعدہ افتتاح تقریباً ۱۵ھ میں ہوا تھا۔ بیت المال کی بعض قابل تذکرہ خصوصیتیں جن کو ہمارے موضوع بیان سے تعلق ہے یہ تھیں۔

(۱) بیت المال کا مرکزی محکمہ مدینہ شریفہ میں تھا لیکن اس کی شاخیں ممالک مفتوحہ (محروسہ

کے ہر ایک صوبہ اور ہر ایک صدر مقام میں پھیلی ہوئی تھیں۔ مسلمانوں کے ہر قسم کے قومی و مذہبی ضروریات کی کفالت اس محکمہ کے متعلق تھی۔ مستحقین کے وظائف مقرر تھے۔ اشاعت اسلام کا مادی و اخلاقی دونوں طریقوں سے نہایت وسیع پیمانے پر انتظام تھا۔ اسلامی تہذیب کو قرآن کریم کے معیار پر رکھنے۔ جائز وسائل سے اُس کو پھیلانے اور دنیا کو اُس کے زیر سایہ لانے کا بندوبست تھا۔ رفاہ عام کے تمام کام اسی محکمہ سے انجام پاتے تھے۔ تعلیم بڑی اُلوالعزمی کے ساتھ عام طور پر دی جاتی تھی۔ اور مرد و زن سب اس سے عملاً فائدہ اُٹھاتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔ صوبوں اور ضلعوں میں بیت المال کی جس قدر شاخیں تھیں اُن کا یہ انتظام تھا کہ ان تمام مصارف کے لئے جتنی رقم وہاں درکار ہوتی رکھ لی جاتی اور باقی صدر محکمہ میں بھیج دی جاتی تھی۔ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے مصر کے گورنر عمرو بن العاص کو جو فرمان لکھا تھا اُس میں یہ صاف تصریح موجود ہے[1]۔

(۲) تعلیمی آسانیوں کے لئے بیت المال سے مناسب وسائل فراہم تھے۔ اسلام سے پیشتر عام تعلیم کا سرے سے رواج ہی نہ تھا اور اگر برائے نام کہیں کچھ تھا بھی تو بہت ہی محدود پیمانہ پر تھا۔ کسی ذی علم کو شوق ہوا اور وقت بھی ملا تو اُس نے چند شاگردوں کو پڑھا دیا۔ لیکن چونکہ اس کے لئے کسی معاوضہ کا دستور نہ تھا اس لئے اس ایثار نفس کا بہت کم موقع ملتا تھا۔ اسلام نے جب تعلیم کا بندوبست کیا تو ساتھ ہی اساتذہ و افسران تعلیم بھی مقرر کر دیئے جن کو بیت المال سے تنخواہیں ملتی تھیں[2]۔

(۳) اسلامی تہذیب و شائستگی و تمدن و آداب و اخلاق کی بنیاد چونکہ صرف قرآن کریم پر

---

[1] کنز العمال۔ جلد ۳ صفحہ ۱۶۳ (طبع دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن)۔

[2] سیرۃ العمرین لابن الجوزی۔ ذکر عمرؓ و عثمانؓ۔

مبنی تھی اِس لئے اُس کی تعلیم لازمی و جبری کر دی گئی۔ چند ڈائرکٹر مقرر تھے جن کا کام یہ تھا کہ تمام قبائل میں پھر پھر کر ہر شخص کا امتحان لیں اور جو قرآن کریم کی تعلیم سے بے بہرہ ہو اُس کو سزا دیں[۵۱]۔ ظاہر ہے کہ یہ مصارف بھی بیت المال ہی کے ذمہ تھے۔

(۴) بیت المال کی آمدنی سے جا بجا مکتب اور مدرسے قائم تھے جن میں پڑھنے لکھنے کے ساتھ شہسواری کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ ابو عامر سلیم کی روایت میں مدینہ شریفہ کے مکتب کا تذکرہ موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے کی تعلیم پر خاص زور دیا جاتا تھا[۵۲]۔

(۵) عمال کو حکم تھا کہ جو لوگ قرآن کریم سیکھیں۔ بیت المال سے اُن کی تنخواہیں مقرر کر دی جائیں[۵۳]۔

(۶) علم لغت کی تعلیم کا بڑا اہتمام تھا۔ ادب و عربیت و فرائض کی تعلیم بھی لازمی تھی اور ان سب کا صرفہ بیت المال کے سر تھا۔ یہ بھی حکم تھا کہ جو کوئی علم لغت کا عالم نہ ہو قرآن کریم کی تعلیم نہ دینے پائے[۵۴]۔

(۷) ممالک محروسہ میں جا بجا بڑے بڑے مشہور بزرگان دین مامور تھے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے احادیث کا درس دیا کریں۔ کوفہ میں عبد اللہ بن مسعود۔ بصرہ میں معقل بن یسار و عبد اللہ بن مغفل و عمران بن حصین۔ شام میں عبادہ بن صامت و

---

۵۱ کتاب الاغانی۔ جلد ۱۶ صفحہ ۵۸ (طبع یورپ)

۵۲ معجم البلدان۔ حرف ح۔ مادہ حاضر۔

۵۳ کنز العمال۔ جلد ۱ صفحہ ۲۱۷۔

۵۴ کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۲۲۸۔

ابو درداؓ اس کی تعلیم و روایت کے لئے متعین تھے اور تاکید تھی کہ عوام اس فن میں ان بزرگوں کے علاوہ اور کسی سے رجوع نہ کرنے پائیں۔[۵۱] کیوں کہ اگر ہر شخص کو تعلیم دینے کی اجازت مل جاتی تو ظاہر ہے کہ اہلیت نہ ہونے کی وجہ سے اس فن کو بھی نقصان پہونچتا اور تعلیم حاصل کرنے والے بھی خسارہ میں رہتے۔

(۲) عربی میں قانون اسلام کو فقہ کہتے ہیں۔ اور چوں کہ فقہ ہی پر معاملات و عبادات کی صحت کا مدار ہے اس لئے ہر ہر شہر میں متعدد فقہا اس فن کی تعلیم کیلئے متعین تھے۔ بصرہ میں دس اہل کمال مقرر تھے[۵۲]۔ شام میں عبد الرحمٰن بن غنم وعبادہ۔ و معاذ بن جبل وابو درداؓ اس کی تعلیم کے ذمہ دار تھے[۵۳]۔ مصر میں حبان بن ابی جبلہ رئیس التعلیم تھے[۵۴]۔ یہی انتظام ملک بھر میں تھا۔ اس وقت کی ضرورت کے مطابق بڑے بڑے ماہران فن۔ افسر تعلیم مقرر تھے اور اس سررشتہ (ایجوکیشنل ڈپارٹمنٹ) کے تمام مصارف بیت المال ہی سے ادا کیئے جاتے تھے۔

ان تمام انتظامات کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں میں تعلیم عام ہوگئی۔ ہر شہر میں کئی کئی ہزار طالب العلم ایک ایک بزرگ کے زیر تعلیم رہا کرتے تھے۔ علامہ ذہبی جو ہمارے شیخ شیوخ الحدیث ہیں طبقات القراء میں لکھتے ہیں کہ نماز صبح کے بعد حضرت ابو درداءؓ جب حلقۂ درس میں بیٹھتے تھے تو قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے والوں کا ان کے گرد

---

[۵۱] ازالۃ الخفاء۔ جلد ۲ صفحہ ۶۔

[۵۲] اسد الغابہ (طبع مصر) حرف عین۔ ذکر عبد اللہ بن مغفل۔

[۵۳] طبقات الحفاظ۔ حرف عین۔ ذکر عبد الرحمٰن بن غنم۔

[۵۴] حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرۃ للسیوطی۔ طبع مصر۔

ہجوم ہو جاتا تھا۔ ابو دردا نے دس دس طلبہ کی الگ الگ جماعتیں (کلاسیں) مقرر کر دی تھیں۔ ہر جماعت کا ایک خاص معلم ہوا کرتا تھا۔ خود ٹہلتے جاتے اور سب کی نگرانی کرتے۔ جب کوئی طالب العلم پورے قرآن کریم کی تعلیم و تجوید سے فارغ ہو چکتا تو اس کے بعد وہ خاص ان کی شاگردی میں آجاتا۔ ایک روز شمار ہوا تو ابو درداء کے حلقۂ درس میں ایک ہزار چھ سو شاگردان خاص نکلے[۱]۔ اس حساب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان شاگردانِ خاص کے علاوہ بارہ ہزار چار سو طلبہ اُن کی زیر نگرانی علوم القرآن کی تعلیم پا رہے تھے۔ یعنی ایک فرد فرید چودہ ہزار طلبہ کا افسر تعلیم تھا!!!

عام تعلیم کی یہ کیفیت تھی کہ آٹھ آٹھ برس کے لڑکے قرآن کریم حفظ کر لینے کے ساتھ علم تفسیر سے بھی مناسبت پیدا کر لیتے تھے۔ گیارہ برس کی عمر میں نحو۔ ادب۔ بلاغت فقہ۔ حدیث اور علم کلام کی تکمیل ہو جاتی تھی[۲]۔ یعنی اُس زمانے میں جتنے علوم مروج تھے محکمۂ بیت المال سے اُن سب کی تعلیم کا انتظام تھا اور بہت ہی تھوڑے دنوں میں لڑکے فارغ التحصیل ہو جاتے تھے۔ اب کی طرح نہ عمریں ضائع ہوتی تھیں۔ اور نہ موجودہ یونیورسٹیوں کے گریجوایٹوں کی سی حالت تھی کہ کورس تمام کر لینے پر بھی کسی فن میں خاطر خواہ قابلیت نہیں ہوتی۔ ہر فن کی چیدہ چیدہ کتابیں بہت مختصر تعداد میں پڑھائی جاتی تھیں نصاب تعلیم کی تنقیح پر خصوصیت کے ساتھ زور دیا جاتا تھا۔ کتابیں اس لئے تبدیل نہیں ہوتی تھیں کہ نئے مؤلفین کو اُن کی اشاعت سے فائدہ پہونچے۔ تبدیلی میں یہ رعایت ملحوظ ہوتی تھی کہ سال بسال جس فن میں جو نئی نئی ترقیاں ہوتی رہیں۔ نصاب تعلیم اُن سب پر حاوی ہو۔

[۱] طبقات القراء۔ ذکر ابی درداءؓ

[۲] کتاب الامامۃ والسیاسۃ۔ جلد ۲ صفحہ ۱۰۳۔ (طبع مصر)

درس کے لئے ایسے لوگ مامور رہتے تھے جو اکثر اوقات میں کیفنی (اسپیشلسٹ) ہوا کرتے تھے یہ نہیں کہ فارسی یا عربی میں ایم۔اے کی سند لے کر ان زبانوں کے پروفیسر تو ہو گئے مگر فضیلت تو کیا حاصل ہوتی علمیت تک کے صفحات سادے ہی رہتے ہیں!

ان تفصیلات سے اہل نظر اندازہ کر سکتے ہیں کہ ابتدائی صدیوں میں اسلامی تمدن کو کن ذرائع سے ترقی نصیب ہوئی۔ وہ کون سی طاقت تھی جس نے مسلمانوں کو تمام دنیا کی ثروت وشائستگی کے وارث بننے میں مدد دی تھی۔ اور امام مالکؒ کے اس ارشاد کا کہ العلم والدین توأمان (علم اور اسلام دونوں ہمزاد ہیں) کیا فلسفہ تھا اور دنیا پر اس سے کیا اثر پڑا۔

گر ترش چشم سیاه تو شده کار آموز
ورنه مستوری و مستی همه کس نتوانند

تیسرا باب
اصول تعاون کے موضوع کون ہیں؟

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (سورۃ المائدہ آیت ۳۔ جزو ۶۔ الکتاب اللہ)

(مسلمانو!) نیکی اور پرہیزگاری کے کام میں ایک دوسرے کے مددگار رہو جایا کرو۔ اور گناہ و زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کے مددگار نہ بنو۔ اور اللہ

(کے غضب) سے ڈرو کیوں کہ اللہ کا عذاب (بہت ہی) سخت ہے؛

انسان کی خلقت اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ جب تک آپس میں ایک دوسرے کی امداد نہ کریں اجتماعی زندگی بسر نہیں ہو سکتی۔ اسلام جو فلسفۂ حیاۃ کا سچا نکتہ شناس ہے اس رمز سے بے خبر کیوں کر رہ سکتا تھا۔ اس نے امداد باہمی پر اتنا زور دیا کہ اس عنوان نے ایک مستقل اہمیت حاصل کر لی اور اصول تعاون۔ علم الاجتماع کا ایک مسئلۂ مسلمہ بن گیا؛ لیکن ساتھ ہی یہ امر بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہ تھا کہ نامناسب حالتوں اور غیر مستحق لوگوں کو مدد دینے سے بسا اوقات مستحقین کی حق تلفی ہوتی ہے اور "نکوئی با بداں کردن" کا نتیجہ "بد کردن بجائے نیک مرداں" نکلتا ہے۔ اس لحاظ سے اسلام کو اس کی حد بندی کرنی ضروری تھی۔ اس نے ایک ضابطہ مقرر کر دیا کہ امداد باہمی (تعاون) کا مصرف "بر" و "تقویٰ" ہے یعنی نیکی و پرہیزگاری کے کام ہیں۔ بر و تقویٰ سے (نیکی و پرہیزگاری) کے کون کون سے کام ہیں؟ اس کی تشریح خود قرآن کریم نے کی ہے۔ سورہ بقرہ میں ہے:-

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ

(مسلمانو!) نیکی (یعنی بر) یہ نہیں ہے کہ (نماز میں) اپنا منہ مشرق (کی طرف کر لو) یا مغرب کی طرف کر لو۔ بلکہ (اصل) نیکی تو ان کی ہے جو اللہ اور روز آخرت اور (آسمانی) کتاب اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور مال (عزیز) اللہ کی محبت میں رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیا اور (غلامی وغیرہ کی قید

وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ- اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا- وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ؁

(سورۃ البقرہ- رکوع ۲۲- آیت نمبر ۱۷۲- جزو ۲ سیقول-)؛

سے لوگوں کی) گردنوں (کے چھڑانے) میں (دیا) اور درست (طور پر) نماز پڑھتے اور زکاۃ دیتے رہے اور جب (کسی بات کا) اقرار کر لیا تو اپنے قول کے پورے اترے اور تنگی میں اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت ثابت قدم رہے۔ یہی لوگ ہیں جو (اسلام میں) سچے نکلے اور یہی ہیں (جن کو صاحب تقویٰ (یعنی پرہیزگار کہنا چاہئے)

پہلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ امداد باہمی کو بر و تقویٰ میں صرف کرنا چاہئے۔ اب اس دوسری آیت سے معلوم ہوا کہ ذیل کے کام بر و تقویٰ میں داخل ہیں:-

(۱) خدا پر۔ روز آخرت پر۔ فرشتوں پر۔ قرآن پر۔ اور پیغمبروں پر ایمان لانا؛

(۲) خدا کی محبت میں اپنے رشتہ داروں پر صرف کرنا؛

(۳) یتیموں پر صرف کرنا؛

(۴) محتاجوں پر صرف کرنا؛

(۵) مسافروں پر صرف کرنا؛

(۶) مانگنے والوں کو دینا؛

(۷) لوگوں کو قید غلامی سے چھڑانا؛

(۸) نماز کو درست طور پر پڑھنا اور اس کا حق ادا کرنا[۵]؛

[۵] ہم نے اَقَامَ الصَّلٰوۃَ کا مطلب نماز کو درست طریقے پر پڑھنا اور اس کا حق ادا کرنا اس لئے

(۹) زکاۃ دینا،

(۱۰) عہد و اقرار کر کے اُس کو نباہنا،

(۱۱) سختی و تکلیف و مصیبت و پریشانی کی شکلوں پر صبر کر کے غالب آنا اور ان حالتوں میں مستقل مزاج رہنا،

لکھا ہے کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں صلاۃ (نماز) کا لفظ آیا ہے وہاں اقامت اور اُس کے مشتقات کے ساتھ آیا ہے مثلاً۔ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ یا اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وغیرہ وغیرہ اِس کے معنی خالی نماز پڑھنے کے نہیں ہیں بلکہ یہ "نماز کا حق ادا کرنا" اس کا مفہوم ہے۔ نماز کا حق کیا ہے یہی کہ فحشاء و منکر و بغی سے انسان بچتا رہے۔ قرآن کریم خود اس معنی کی شہادت دے رہا ہے سورہ مائدہ میں ہے۔ قُلۡ یٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لَسۡتُمۡ عَلٰى شَىۡءٍ حَتّٰى تُقِيۡمُوا التَّوۡرٰٮةَ وَالۡاِنۡجِيۡلَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ‌ؕ وَلَيَزِيۡدَنَّ كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ مَّاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ طُغۡيَانًا وَّكُفۡرًا‌ۚ فَلَا تَاۡسَ عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ‏ ۔

(سورۃ المائدہ۔ رکوع ۱۰۔ آیت نمبر ۶۸۔ جزو ۶۔ لایحب اللہ) یعنی اے پیغمبر یہود و نصاریٰ سے کہو کہ اے اہل کتاب جبتک تم توراۃ و انجیل اور ان صحیفوں کا جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوئے ہیں حق نہ ادا کرو گے تو دین سے جس کا تم دعوے کرتے ہو تمکو کچھ بہرہ نہیں اور اے پیغمبر حوں کہ یہ لوگ تم سے حسد رکھتے ہیں اس لئے یہ قرآن جو تم پر تمھارے پروردگار کی طرف سے اُترا ہے ان میں سے بہتیروں کی سرکشی اور نیز ان کے کفر کے زیادہ ہونیکا باعث ہوگا لہٰذا ان لوگوں کے حال پر کہ کافر ہیں تم مطلق نہ افسوس کرو) اِس آیت میں حتی تقیموا التوراۃ والانجیل کے معنی عام مفسرین نے یہی لکھے ہیں کہ ای توفوا حقہما بالعلم والعمل۔ یعنی توراۃ و انجیل کا حق ازروئے علم و عمل ادا کرو۔ حضرت ابو زید انصاری (صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اس کا مطلب یہ فرماتے ہیں کہ ان مقدس کتابوں کے مطالب پر عمل کرو۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

اِس حد بندی سے برّ و تقویٰ کی حقیقت واضح ہوگئی اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یہی برّ و تقویٰ کے کام ایسے ہیں جن میں ایک دوسرے کی اعانت کرنی چاہئے۔ ان کے علاوہ اور کسی غیر ضروری کام میں امداد کرنا حاصل ہے۔ لیکن ابھی ایک بہت بڑا عقدہ باقی تھا جس کے حل کرنے میں اسلام نے سب سے زیادہ کوشش کی اور انتہائی وضاحت سے اس مسالہ پر روشنی ڈالی۔

اعتراض یہ تھا کہ :-

یہ زکاۃ و صدقات کے بھروسے پر لوگوں میں مفت خوری کی عادت پیدا ہونے لگتی ہے۔ آدمی فرائض انسانی کو بھول کر محنت سے جی چرانے لگتا ہے۔ غیرت و حمیت جو قومی ترقی کے حق میں برقی طاقت کا حکم رکھتی ہے۔ لوگوں کے دلوں سے کافور ہونے لگتی ہے۔ خوشامد اور غلامی کی ذلیل خصلت قوم کے دلوں میں پیوست ہوجاتی ہے۔ بڑے بڑے شریف سفید پوش گو منھ سے سوال نہ کریں۔ مگر مختلف پیرایوں اور طریقوں سے بلا معاوضۂ خدمت مدد و کاربرآری کے طالب رہا کرتے ہیں۔ کسی نے سچ کہا ہے۔ کہ فقیر کی صورت سوال ہے۔ اگر خوش قسمتی سے گھر میں ایک آدمی خوشحال ہو تو اس خاندان کے اکثر افراد اپنی بسر اوقات اور کاربرآری کا مدار اسی ایک آدمی کی مدد و امید پر رکھتے ہیں اور ہر وقت اُسی کی جیب ٹٹولتے رہتے ہیں۔ عوام کے طبقہ میں تو فقیری و گداگری ایک پیشہ سمجھا جاتا ہے اور گداگروں کی تعداد روز بروز بڑھتی چلی جاتی ہے۔ ہندوستان میں آج یہ حالت ہو رہی ہے کہ مردم شماری کے نقشوں میں اکثر مسلمانوں نے اپنا پیشہ اور اپنی قوم فقیر گداگر لکھائی ہے۔ کسی شہر یا قصبہ میں آپ جائیے جس قدر گداگر مسلمان در در بھیک مانگتے۔ غیر قوموں کے سامنے ہات پھیلاتے۔ خدا و رسول و علیؓ مرتضیٰ و حسنینؓ کے نام

بیچتے پھرتے آپ کو دکھائی دیں گے ہرگز اس قدر دوسری قوموں کے فقیر آپ کو نظر نہ آئینگے
غیر قومیں مسلمانوں کی یہ ذلیل حالت دیکھ کر اسلام ہی کو اُن کی مفلسی کا سبب قرار دیتی ہیں
اُن کا قول ہے کہ اسلام ہی لوگوں کو بے ہمت وکاہل بناتا ہے اور تعلیم اسلام ہی کی بدولت
یہ لوگ حرا مخور ہو جاتے ہیں۔ ان عملی تجربوں سے تو مسٹر کارینگی (امریکہ کے مشہور دولتمند) کا
قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں :۔ اصولی طور پر دنیا میں سب سے زیادہ خراب کرنیوالی
چیز خیرات ہے ‘‘

اِس اعتراض کا جواب احادیث میں نہایت تفصیل کے ساتھ مذکور ہے اور ہمارے
دوست صفی الدولہ حسام الملک نواب سید علی حسن خاں بہادر نے انہیں کی مدد سے
اس کی گرہ کشائی کی ہے۔ یہ مضمون چوں کہ ایک خاص حد تک دلچسپ بھی ہے اور افہام
و تشفی قلب دونوں کے پہلو بھی اس میں ہیں۔ لہذا ہم اُنہیں کے الفاظ میں اس کو نقل کرتے
ہیں۔ نواب صاحب فطرۃ الاسلام میں فرماتے ہیں :۔

’’زکاۃ اور صدقات کی نسبت جو کچھ برائیاں اور خرابیاں کیگئیں وہ زکاۃ و صدقات کے
غلط استعمال سے متعلق ہیں نہ نفس زکاۃ و صدقات سے۔ حسن تمدن و معاشرت کے حق میں زکاۃ
و صدقات کو مفید و کار آمد نہ سمجھنا خود تعجب کی بات ہے۔ کیونکہ دنیا میں رہ کر بنی نوع انسان کو
اتفاقات وقت سے کسی حالت میں نجات ملنا ممکن نہیں ہے۔ امیر و غریب۔ عالم و جاہل
مجرد و متاہل۔ فقیر اور بادشاہ۔ مرد و عورت سب کو دوران زندگی میں کچھ نہ کچھ اتفاقات
پیش آیا ہی کرتے ہیں اور ایسے ہی موقعوں پر ایک آدمی دوسرے آدمی کی ہمدردی و اعانت
کا حاجتمند ہوا کرتا ہے۔ چونکہ انسانی حاجتیں زیادہ تر مال سے تعلق رکھتی ہیں اور آسائش
زندگی کے وسیلوں میں مال سب سے بڑا وسیلہ ہے۔ اسی لئے اور اسی ضرورت کو مدنظر رکھ کر

اسلام نے زکاۃ وصدقات کو قومی وانسانی فرض قرار دیا جو بالکل واقعات کے اعتبار سے ضروری اور انسانیت کے اعتبار سے ایک فطری فرض ہے اور بہت سی حالتوں میں نہایت مفید ہے بشرطیکہ اُن کے طریقہ استعمال میں غلطی نہ کی جائے۔ کچھ شک نہیں کہ جس غلط طریقۂ استعمال کو اس زمانہ کے مسلمانوں نے اپنا دستور العمل بنا رکھا ہے نہ اسلام نے اُس طریقہ کی ہمکو تعلیم دی اور نہ اس طرح خرچ کرنے کو اُس نے باعثِ ثواب ٹھہرایا۔ گو ہم اپنی جہالت ولاعلمی سے کتنا ہی اُس کو نیکی کا کام سمجھیں۔ مگر اسلام تو اس طریقۂ استعمال کو تباہیِ دین اور نکالِ آخرت قرار دیتا ہے جس کا جی چاہے خدا کی پاک کتاب اور جناب رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے طرزِ عمل سے اُس کو ملاکر دیکھ لے۔

اس میں شبہہ نہیں کہ اسلام نے مخصوص حالتوں میں عام مخلوق کے لئے صدقات کو اور خاص قوم کے حاجتمندوں کے لئے زکاۃ کو قومی حق اور ذریعہ ہمدردی ٹھہرایا ہے۔ اور بہت زور دیکر یتامیٰ، مساکین، بیکس مسافروں اور درماندہ سائلوں کے ساتھ خلوص دل سے حسن سلوک ومروت کا حکم دیا ہے اور مالی مدد کرنے پر ترغیب دی ہے جو عین حکمت اور فطری ہمدردی پر مبنی ہے حدیث میں آیا ہے فاخذ من اغنیائھم ونردّ الی فقرائھم ہم خوشحال لوگوں سے لیتے ہیں اور اُنہیں کے تنگدست بھائیوں پر اُسکو لوٹا دیتے ہیں۔ اس میں بھی کچھ شبہہ نہیں کہ جو لوگ باوجود فرضیت زکاۃ نہیں دیتے وہ نہ صرف خدا کی نافرمانی کرتے ہیں بلکہ وہ اپنے کو کل قوم کا گنہگار بناتے ہیں اور مسلمانوں کا ذلیل وخوار اور تباہ ونادار ہونا روا رکھتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ شرعاً اور عقلاً کسی طرح بے معاوضہ خدمت ومحنت مالی مدد کے مستحق نہیں ہیں مگر سوال اور مفت خوری کے عادی ہیں وہ نہ صرف خدا کے عتاب میں گرفتار ہوتے ہیں بلکہ دوسروں کے حق کو

غضب کرنے والے اور قوم کو ذلت کے گڑھے میں گرانے کے مجرم بنتے ہیں۔

افسوس ہے کہ بدقسمتی سے مسلمانوں کی جہالت اور نفس پروری نے مذہب کی اصلی غرض اور حکم خدا کے اصلی منشاء کو چھوڑ کر زکاۃ و صدقات کی صورت مسخ کر دی۔ امیروں نے زکاۃ اور اُس کے استعمال کے اُن عمدہ طریقوں کو ترک کر کے جو اسلام نے تعلیم کیے تھے خیرات کے نام سے اپنی شہرت و نمود حاصل کرنے کو یا غیر مستحق اور بے حمیت لوگوں سے پیچھا چھڑانے کے لئے یا فرضی و خیالی ثوابوں کی اُمید میں جود و عطا کے ایسے معیوب اور بیجا طریقے اختیار کیے جنہوں نے افرادِ قوم کو بے عزت اور مفلس و تباہ کرنے میں ہر طرح کی ہمدردی اور خود اُن کو مقروض کر کے اُن کی جائدادوں کو غیروں کے لئے مالِ غنیمت بنا دیا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس زمانے میں اگر کسی مستحق کو بھی کچھ دیا جاتا ہے تو وہ بھی خیرات کے طریقہ استعمال کے ناقص اور مخالف شرع ہونے کی وجہ سے یا تو وہ شخص اپنے حق سے کم پاتا ہے یا اپنے حق سے زائد حاصل کر کے دوسرے حاجتمند اور مستحق لوگوں کا حق غصب کرتا ہے۔ انہیں بیجا مصارف اور خلاف شرع طریقوں نے ہزاروں کو گداگر اور کوڑی کوڑی کا محتاج بنا دیا جن کو دیکھکر غیر قوم کے لوگ اپنی لاعلمی یا حق پوشی کی وجہ سے اسلام پر علانیہ تہمت لگانے میں دریغ نہیں کرتے۔ اسلام تو بغیر اشد درجہ کی مجبوری کے جس کی برداشت طاقت انسانی سے باہر ہو سوال کو حرام قرار دیتا ہے اور فقیری و گداگری کو سواد الوجہ فی الدارین بتاتا ہے۔ جناب رسالتماب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کبھی یہ روا نہیں رکھا کہ غیر مستحق یا غیر معذور آدمی دوسرے لوگوں کی کمائی سے ناجائز فائدہ اُٹھائے۔ اور اس طرح غیرت و حمیت کو (جو اسلام کا عنصر غالب ہے) مٹانے کی کوشش کرے۔ قبیصہ بن مخارق رضی سے روایت ہے کہ وہ دو قبیلوں

کے باہم صفائی کرانے میں قرضدار ہو گئے تھے۔ اِس لئے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے طالب مدد ہوئے۔ آپ نے فرمایا ٹھہرو مال صدقہ آنے دو۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اے قبیصہ صرف تین شخصوں کو سوال حلال ہے؛

(۱) جو شخص کسی دَین کا ضامن ہو تو ادائے دَین کے لئے سوال جائز ہے؛

(۲) جس شخص کا مال تباہ ہو گیا ہو تو اُس کو صرف سامانِ گزران حاصل کرنے کو سوال جائز ہے؛

(۳) جو شخص فاقہ زدہ ہو اور قوم کے تین عقلمند آدمی اُس کے فاقہ کی گواہی دیں تو اُس کو صرف گزران کے سامان کرنے کو سوال جائز ہے؛

ابوہریرہ رضؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا جس نے مال مانگا اپنی رقم بڑھانے کو نہ بغرض گزران تو وہ دوزخ کی چنگاری لیتا ہے چاہے کم لے یا زیادہ غرض جس کے پاس کھانے کو اس قدر ہو کہ وہ صبح و شام کے لئے کافی ہو سکے اسکو سوال کرنا منع ہے؛ میں اس مقام پر دو واقعہ اور بیان کرتا ہوں جن سے صاف صاف زمانۂ رسالت کا طرزِ عمل معلوم ہو جاویگا کہ کیا تھا۔ حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ انصار میں سے ایک شخص رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا اور خیرات کا سوال کیا۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ کیا تمہارے گھر میں کوئی چیز نہیں ہے۔ انصاری نے جواب دیا کہ صرف ایک گدڑی اور ایک پیالہ ہے۔ آپ نے حکم دیا کہ دونوں چیزیں لے آوے۔ اور جو اصحاب اُس وقت موجود تھے اُن سے فرمایا کہ کون شخص اِن چیزوں کا خریدار ہے۔ اِن میں سے ایک صحابی نے ایک درہم قیمت لگائی۔ آپ نے فرمایا اس سے زیادہ کون دینا چاہتا ہے یہ سن کر ایک اور صحابی نے دو درہم قیمت لگائی۔ آنحضرتؐ نے اُن سے دو درہم لے کر

اس سائل کے حوالے کیے اور حکم دیا کہ ایک درہم کا غلہ خرید کر بال بچوں کو کھلاؤ اور دوسرے درہم کی کلہاڑی خرید کر ہمارے پاس لاؤ۔ اُس انصاری نے حکم کی تعمیل کی۔ آپ نے اُسکی کلہاڑی میں دستہ اپنے دستِ مبارک سے لگایا۔ الفاظ حدیث یہ ہیں:-

"فشد فیه رسول الله صلی الله علیه وسلم عودا بیده ثم قال اذهب فاحتطب" یعنی آپ نے دست مبارک سے اُس میں لکڑی لگائی اور فرمایا کہ جاؤ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاؤ اور بیچو۔ اور پھر فرمایا کہ پندرہ روز کے بعد پھر اس جگہ آنا۔ انصاری چلے گئے۔ اُس دن سے وہ لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور بیچتے۔ جب پندرہ روز پورے ہو گئے تو پھر اُسی مقام پر حاضر ہوئے اُس وقت دس درہم اُن کے پاس بچت کے تھے۔ آپ بہت خوش ہوئے۔ غور کرو کہ اس واقعہ سے کس قدر باتیں معلوم ہوئیں۔ غیر معذور کو نہ دینا۔ اس کو سوال سے روکنا۔ ذاتی محنت سے روپیہ پیدا کرنے کی ترغیب دینا۔ کام میں خود اُس کا ہاتھ بٹانا۔ خدا پر توکل کے صحیح معنی تعلیم کرنا۔ طلب حلال کا عادی بنانا۔ اب ذرا انصاف سے موجودہ طریقہ خیرات کو عہد رسالت کے طریقہ خیرات سے مقابلہ کر کے دیکھو تو زمین و آسمان کا فرق پاؤ گے۔ اب تو اچھے اچھے شریف تو انا کھاتے پیتے پڑھے لکھے خوش پوشاک صرف اپنی نفسانی خواہشوں کو پورا کرنے کے لیئے یا آمدنی پیدا کرنے کے لیئے بے تکلف میرے تیرے آگے ہات پھیلاتے ہیں اور جو لوگ خوشحال اور صاحب استطاعت ہیں وہ اصلی مستحق لوگوں اور قوم کے یتیموں اور غریب طالب علموں اور مفلس بیماروں اور اصلی معذوروں کی تو کچھ خبر نہیں لیتے محض اپنی نمود و شہرت یا ناواجب مروت یا پیچھا چھڑانے کی غرض سے یا بیجا رحم کی بنا پر ایسے ...... غیر مستحق اپاہجوں کی مدد میں روپیہ صرف کرتے ہیں اور اپنے نزدیک اس کو حق اور نیکی کا کام سمجھکر خوش ہوتے

ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الالباب۔ کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ افلاس اسلام کا
نتیجہ تعلیم ہے۔ خیر اب دوسرا واقعہ سنو۔ جناب رسالتمآب (صلی اللہ علیہ وسلم) اور بعض
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کفار مکہ کی عداوت اور کینہ پروری سے تنگ آ کر جب مکہ معظمہ سے بہ نیت
ہجرت چل کھڑے ہوئے اور مدینہ منورہ میں بحالت پریشانی و بے سروسامانی پہونچے
تو مسلمانان مدینہ جن کا دوسرا نام انصار ہے اپنے غریب الوطن پریشان حال بھائیوں
یعنی مہاجرین کے ساتھ نہایت ہمدردی سے پیش آئے۔ اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم)
نے انصار اور مہاجرین میں اخوت کی بنیاد ڈالی۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ
انصاری آنحضرت کی خدمت میں حاضر تھے۔ یہ مدینہ کے بہت بڑے مالدار لوگوں میں تھے
اور ان کے پاس ایک نہایت عمدہ بیرحا نام باغ تھا جس کو وہ بہت عزیز رکھتے تھے۔
یہ باغ مسجد نبوی کے سامنے واقع تھا۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اکثر اس باغ میں جاتے
اور اس کا شیریں خوشگوار پانی پیا کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس وقت یہ
آیت اتری۔ لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ۔ تم ہرگز بھلائی کو نہ پہونچوگے
جب تک کہ خدا کی راہ میں وہ چیز خرچ نہ کرو جس کو تم عزیز رکھتے ہو۔ تو ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کھڑے
ہوئے اور عرض کی کہ خدا عزیز چیزوں کے خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے اور میرے تمام متاع
میں زیادہ عزیز چیز یہ باغ بیرحا ہے۔ میں اسکو اللہ کی راہ میں صدقہ دیتا ہوں۔ یا رسول
اللہ آپ جس طرح کا تصرف چاہیں اس میں کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ذالک مال رابح ذالک مال رابح۔ یہ بڑے نفع کا مال ہے یہ بڑے نفع
کا مال ہے۔ جو کچھ تم نے کہا وہ میں نے سنا۔ میں مناسب جانتا ہوں کہ تم اسکو اپنے عزیزوں
پر تقسیم کر دو۔ چنانچہ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس باغ کو اپنے اقارب اور چچا زاد بھائیوں پر تقسیم کر دیا۔

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس طرز عمل سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نے اہل حق کو سب پر مقدم رکھا اور۔۔۔ یہ گوارا نہ کیا کہ سوائے اہل حق کے دوسرا بلا معاوضہ خدمت اس سے فائدہ اٹھائے۔ زکوٰۃ و صدقات سے مقصود شارع کا صرف انسانی مصیبتوں اور اتفاقی حاجتوں کو رفع کرنا ہے نہ مفت خوروں کا پیٹ بھرنا"

چوتھا باب

زکاۃ دینے سے تہذیب نفس و تزکیہ اخلاق میں مدد ملتی ہے

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ. اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ. وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ -(سورۂ توبہ۔ رکوع ۱۳۔ آیت نمبر ۱۰۴ جزو ۱۱ یعتذرون)۔

(ان لوگوں کے مال کی زکاۃ لیا کرو۔ زکاۃ کے قبول کرنے سے تم ان کو (گناہوں سے) پاک (صاف کرتے ہو۔ اور ان کو دعائے خیر دو۔ کیوں کہ تمہاری دعا ان کے لئے تسکین (کی موجب ہوتی) ہے۔ اور اللہ (سب کی) سنتا (اور سب کچھ) جانتا ہے)

ہمارے ان دوستوں کو جو آجکل اسباب و علل کی ظاہری نمائش کے گرویدہ ہو رہے ہیں۔ یہ یقین کر لینا بہت دشوار ہے کہ زکاۃ دینے سے تہذیب نفس و تزکیۂ اخلاق میں مدد مل سکتی ہے۔ وہ آیت زیر عنوان کو پڑھ کر کہدیں گے کہ یہ سب ترغیبی باتیں ہیں ورنہ زکاۃ سے اور تہذیب سے کیا تعلق ہے؟ یہ اعتراض بظاہر صحیح بھی معلوم ہوتا ہے لیکن

ظواہر و حقائق میں وہی فرق ہے جو کبھی کبھی خود کسی امر یا کسی شخص کے ظاہر و باطن میں نظر آتا ہے۔ بہر حال رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقدس تعلیمات سے جو احادیث میں وضاحت کے ساتھ مذکور ہیں۔ اس مسئلہ پر حسب ذیل روشنی پڑتی ہے:۔

(۱) جب کوئی شخص زکاۃ دینے کا خوگر ہو جاتا ہے تو بخل و تنگ دلی کے عیوب اُس سے کم ہونے لگتے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ مرض جو اکثر اخلاقی امراض کی جڑ ہے بالکل ہی زائل ہو جاتا ہے۔ اور نفس میں فراخدلی کی شان پیدا ہو کر شائستگی آجاتی ہے؛

(۲) طمع اور لالچ کم ہو جاتا ہے؛

(۳) عام رائے کو اُس سے خود غرضی و قوم فراموشی کی شکایت نہیں رہتی؛

(۴) اُس کو ایک حد تک قوم میں ہر دل عزیزی حاصل ہو جاتی ہے جو الظاھر عنوان الباطن کے مطابق اُس کو حقیقی عزت (کہ وہی تہذیب نفس کا منشائے اصلی ہے) حاصل کرنے کی محرک ہوا کرتی ہے؛

(۵) اُس کے مال میں برکت ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے:۔

ان ھذا المال خضر حلو فمن اخذ بسخاوۃ نفس بورک له فیه ومن اخذہ باشراف نفس لم یبارک له فیه فکان کالذی یاکل ولا یشبع

دولت تر و تازہ و شیریں ہوا کرتی ہے۔ جو اس کو اپنی طبیعت کی فیاضی کے ساتھ لیگا اُسے دولت میں برکت ہوگی۔ اور جو تنگ دلی کے ساتھ لیگا وہ برکت سے محروم رہیگا۔ اُس کی حالت اُس شخص کی سی ہوگی جو کھاتا ہو اور سیر نہ ہوتا ہو

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد برکت کا فلسفہ بیان کرتے ہیں:۔

البرکة فی الشئ علی انواع۔ ادناها
طمانیة النفس به وثلج الصدر
کرجلین عندهما عشرون درهماً
احدهما یخشی الفقر والاٰخر مصروف
الخاطر عن الخشیة وغلب علیه
الرجاء۔ ثم زیادة النفع۔ کرجلین
مقدار مالهما واحدٌ۔ صرفه
احدهما الی ما یهمه وینفعه
واُلهم التدبیر الصالح فی صرفه
والاٰخر اضاعه ولم یقتصد فی
التدبیر۔ وهذه البرکة تجلبها
هیأة النفس بمنزلة جلب الدعاء

کسی چیز میں برکت کئی صورتوں میں ہوا
کرتی ہے۔ ادنیٰ صورت یہ ہے کہ اُس سے
طبیعت کو اطمینان ہو اور قلب میں خنکی آ جائے
مثلاً دو شخص ہیں جن کا سرمایہ بیس بیس درہم
ہے۔ اُن میں سے ایک کو مفلسی کا خوف
لگا ہے۔ اور دوسرے کے خیال میں خوف
آتا ہی نہیں۔ اُس پر توقعات غالب ہیں۔
اس کے علاوہ برکت کی ایک صورت نفع بڑھنے
کی ہے۔ مثلاً دو شخص ہیں جن کے سرمایہ کی
مقدار برابر ہے۔ ایک نے اُسکو اُن کاموں میں
صرف کیا جو اُس کے خیال میں اہم و نافع تھے۔
اور اُس کے صرف کے لئے مناسب تدبیر بھی
اُس سے بن پڑی۔ دوسرے نے اپنی تدبیروں کی بے اعتدالی سے اُس کو تلف کر دیا۔ اسی کا
نام برکت یا بے برکتی ہے اور اس کو بھی بمنزلہ جلب دعا کے طبیعت انسانی جلب کر لیا کرتی ہے[1]

رہی یہ بات کہ زکاۃ دینے سے مال میں برکت ہوتی کیوں ہے؟ تو اس کے جواب
کے لئے چاروں ابتدائی شقیں کافی ہیں جب کسی شخص کے آداب و اخلاق شائستہ ہو جائینگے
اور ظاہر و باطن آراستہ ہوگا۔ لا محالہ اُس کو جائز و مناسب و مفید وسائل سے اپنے مال و
دولت کے بڑھانے میں مدد مل سکتی ہے اور کافی موقع حاصل ہے کہ عام رائے کی اعانت

[1] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۳۴۲ طبع بریلی سنہ ۱۲۸۶ھ)

سے اس غرض کی تکمیل میں فائدہ اُٹھائے۔

(۶) اسلام جہاں زکاۃ کو فرض ٹھہراتا ہے وہاں زکاۃ کے لیئے ایک باقاعدہ محکمہ بھی قائم رکھنے کا حکم دے رہا ہے۔ اس محکمہ کا نام جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ اسلامی تمدن کے عہد میں بیت المال تھا۔ اس کے متعدد حصے تھے جن میں ایک اہم حصہ زکاۃ کے متعلق تھا۔ اس حصہ کے ذریعہ سے مسلمانوں کی ہر قسم کی علمی و عملی و اخلاقی و مادی ضروریات کی۔ بشرط استحقاق کفالت ہو سکتی تھی جس سے مسلمانوں کی اجتماعی طاقت میں ضعف نہیں آنے پاتا تھا۔ اسلام کی سطوت کے ڈنکے بج رہے تھے۔ مذہب کی حرمت قائم تھی۔ مذہبی شائستگی دنیا میں پھیلتی جاتی تھی۔ جہالت کے ہولناک خطرات قریب نہیں آنے پاتے تھے۔ قومیت کی روح عام ہو رہی تھی۔ اور قوی امید تھی کہ اس محکمہ (زکاۃ) کے ذریعہ سے مسلمانوں کا مستقبل ہمیشہ شاندار رہیگا۔ ظاہر ہے کہ جس بیخ وبن (زکاۃ) سے اتنی شاخیں نکلتی ہوں اور دنیا کو سرسبز و شاداب رکھنے میں اُن کی اہمیت اس درجہ نفع بخش ہو۔ اُن کے بابرکت ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

خرم ہماں نسیمے کو بوئے دلبر آرد ؎

ابراہیم بن یحییٰ کی کتاب احوال بیت المال کو پڑھو[۵] اور اسلام کی تاریخ سے ان کے

---

[۵] یہ عربی کی ایک نہایت دلچسپ و معنی خیز کتاب ہے جس میں بیت المال کے متعلق ہر قسم کے مفید و سبق آموز معلومات کا ایک وسیع ذخیرہ فراہم ہے۔ اس کے اقتباسات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس محکمہ کے کیا کیا فرائض تھے اور رفاہ عام کے کیسے کیسے کام اس کے ذریعہ سے انجام پاتے تھے۔ یہ کتاب سلطان مصطفےٰ خان (سلطان روم) کے لیئے تالیف ہوئی تھی۔ کشف الظنون جلد ا صفحہ ۲۴۴ مطبع قسطنطنیہ ۱۳۱۰ھ میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ افسوس ہے کہ ہم کو اس

نتائج کی تطبیق دو اور تنقیح کرو۔ تم کو محسوس ہوگا کہ بیت المال کا محکمہ جب منتظم شکل میں نہ رہا۔ اُس کی آمدنی مسلمان پادشاہوں کی ذاتی ملکیت شمار ہونے لگی۔ ثروت کی ترقی اور مسلمانوں کی انتہائی خوشحالی کو دیکھ کر سلطنت نے جب زکاۃ کی وصولی موقوف کردی اور یہ صیغہ توڑ دیا گیا۔ تو گو اُس زمانہ میں اس کے نقصانات محسوس نہ ہوئے مگر رفتہ رفتہ اسی واقعہ نے قوم کی تباہی کی صورت اختیار کر لی۔ قومی سلطنت اگر ضعیف بھی ہو جائے یا جاتی بھی رہے تو اس سے اتنا نقصان نہیں ہو سکتا جتنا کہ قوم کے وسائل زندگی کا تباہ ہونا باعث نقصان ہے۔ آج اگر ہم میں زکاۃ فنڈ کا دستور ہوتا اور ایک منتظم شکل میں اُس کے داخل و خارج کا باقاعدہ انتظام رہتا تو مسلمانوں کی حالت اتنی گئی گزری نہ ہوتی۔ ہم میں افلاس بڑھتا جاتا ہے۔ شرافت مٹتی جاتی ہے۔ مفلسی نے بڑے بڑے خاندانوں کے آداب و اخلاق تباہ کر رکھے ہیں۔ مذہب کا احترام دلوں سے اُٹھتا جاتا ہے۔ اچھے اچھے گھرانے اپنی اولاد کی تعلیم کا انتظام نہیں کر سکتے۔ لوگ مجبور ہیں کہ جھوٹ بولیں۔ جھوٹی گواہیاں دیں۔ غیبت کریں۔ افترا و بہتان میں پھنسیں۔ عصمت بیچیں۔ پرائی خیر اپنی بتائیں۔ چند پیسوں کے لئے

کتاب کے مطالعہ کا ابھی تک موقع نہیں ملا لیکن ماہ میں قسطنطنیہ کے ترکی اخباروں میں اس کی ابتدائی دو چار فصلوں کے جو اقتباسات شائع ہوئے ہیں اُن کے مکمل نمبر ہمارے پاس موجود ہیں اور ہم نے اپنی تحریر میں کہیں کہیں ان سے فائدہ بھی اُٹھایا ہے۔ اور مزید توثیق کے لئے دوسری مستند کتابوں سے اُن اقتباسات کی تحقیق بھی کر لی ہے۔ کشف الظنون (جلد اصفحہ ۱۳۹۵) میں بیت المال کے متعلق ایک اور کتاب کا بھی نام ملتا ہے جو ملّا خسرو متوفی ۸۸۵ھ کی تالیف ہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ سلاطین عثمانی کو ایک زمانہ میں خیال پیدا ہوا تھا کہ محکمۂ بیت المال کو اصلی حالت پر لائیں یا یہ کہ علما نے ان میں یہ خیال پیدا کرانا چاہا تھا اور اسی لئے یہ کتابیں تالیف کی تھیں! +

خون کر ڈالیں۔ اور جس طرح بن سکے۔

این شکم بے ہنر پیچ پیچ
صبر ندارد کہ بسازد بہ ہیچ

کے لئے پیٹ پالنے کا کوئی نہ کوئی سامان کریں۔ اس سے زیادہ کسی قوم کی دردناک حالت اور کیا ہوگی۔ کہنے کو تو ہم ضرور زندہ ہیں لیکن وہ قوم جس کے نام سے ایک زمانہ میں ایشیا و یورپ تھرا رہے ہوں۔ کیا اُس کے لئے یہ ذلیل اور بعد درجہ کی ذلیل زندگی موت سے بدتر نہیں ہے۔ روس کے مسلمان تو صرف اس لئے روم میں ہجرت کر رہے ہوں کہ سلطنت روس مسلمانوں کی قومی عزت کی پروا نہیں کرتی۔ اور ہم ہیں کہ ہندوستان میں خود اپنے ہاتھوں اپنی قوم کی بے عزتی کا باعث بنے ہوئے ہیں اور چھوٹے بڑے کسی کو ذرا بھی اس پر تنبہ نہیں ہوتا۔ یہ نہایت رسوائی و بے حیائی کی بات ہے اور اس بے غیرتی کے ہوتے ہوئے دنیا ہم کو کبھی اچھی نظر سے نہیں دیکھ سکتی۔ ہم اگر بیت المال کا پورا محکمہ نہیں کھول سکتے تو کم از کم اُس کا وہ حصہ جو زکاۃ و صدقۂ فطر سے متعلق ہے اُس کے قائم کرنے میں کون سی بڑی دقتیں ہیں۔ ضابطہ کے ساتھ اگر ہم اس صیغہ کو کھول سکیں اور اس کے قائم رکھنے کا بندوبست بھی ہو جائے تو ہماری تمام مشکلیں ابھی آسان ہو سکتی ہیں۔ نہ بات بات پر قومی ضرورتوں کے نام سے سرکار کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑے گا۔ نہ یہ پریشانیاں لاحق ہوں گی۔ نہ اس حقارت و بے بسی کا رونا ہوگا۔ ہم اپنے تمام کاموں کو خود اپنے بل بوتے پر انجام دے سکیں گے۔ مفلسوں کی دستگیری، محتاجوں کی اعانت۔ یتیموں کی پرداخت۔ وغیرہ وغیرہ تمام اُمور کا انتظام سہل ہو جائے گا۔ اور مالی حیثیت سے بغیر کسی خارجی اعانت کے ایک اسلامی یونیورسٹی تو کیا بلکہ کئی اسلامی یونیورسٹیاں

کے قائم کر لینے میں ہمارے لئے کوئی امر مانع نہ ہوگا۔

افسوس، زکاۃ میں کیا کچھ فوائد مضمر ہیں اور ایک اس صیغہ کے اُٹھ جانے سے ہم کیسے کیسے نقصان اُٹھا رہے ہیں!

ہمنشیں اک دل مرے پہلو سے کیا جاتا رہا
سب تڑپنے تلملانے کا مزا جاتا رہا

پانچواں باب ۵
زکاۃ کے مصارف

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاکِیْنِ وَالْعَامِلِیْنَ عَلَیْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِی الرِّقَابِ وَالْغَارِمِیْنَ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِیْلِ۔ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ۔ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ۔

(سورۂ توبہ۔ رکوع ۸۔ آیت نمبر ۶۰۔ جزو ۱۰۔ واعلموا انما غنمتم)

(زکاۃ کا مال) تو بس فقیروں کا حق ہے اور محتاجوں کا اور ان کارکنوں کا جو (مال زکاۃ کے وصول کرنے پر متعین) ہوں۔ اور ان لوگوں کا جن کے دلوں کا پرچانا منظور ہو۔ اور وہ جن کی گردنیں (قید غلامی سے) چھڑانی ہوں۔ (نیز) اللہ کی راہ میں اور مسافر کے لئے (بھی اس کو خرچ کرنا چاہئے) یہ اللہ کا مقرر کیا ہوا فرض ہے

اور اللہ جاننے والا صاحب تدبیر ہے)

قرآن کریم نے زکاۃ کو فرض ٹھہرانے کے بعد اُس کے مصارف بھی مقرر کر دیئے اور بتا دیا کہ کن کن امور میں اس کو صرف کرنا چاہیئے۔ اور کون کون سے لوگ اس کے مستحق ہیں استحقاق کی توضیح اور اُن مدات کی تفصیل جو زکاۃ کے مصرف صحیح ہیں لازمی تھی۔ اس لیئے سورۃ توبہ نے اس مسئلہ کو بالکل صاف کر دیا۔ عنوان باب میں جو آیت مندرج ہے وہ اس کا قطعی فیصلہ ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زکاۃ کے مصارف آٹھ ہیں:۔

(۱) مال زکاۃ فقیروں پر صرف کرنا چاہیئے۔ یہ فقیر کس قسم کے ہوں؟ قرآن کریم نے اس کی تشریح خود ہی کر دی ہے۔ سورۃ البقرہ میں ہے:۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا۔

(سورۃ البقرۃ۔ رکوع ۳۷۔ آیت نمبر ۲۷۴)

زکاۃ تو اُن فقیروں کا حق ہے جو اللہ کی راہ میں گھرے بیٹھے ہیں۔ ملک میں کسی طرف کو (جانا چاہیں تو) جا نہیں سکتے۔ ناواقف آدمی اُن کی خودداری کی وجہ سے انہیں غنی سمجھتا ہے (لیکن، تو اُن کی) دیکھے تو صورت ہی سے صاف پہچان جائیگا کہ حاجتمند ہیں مگر وہ لگ لپٹ کر لوگوں سے نہیں مانگتے!

(۲) مسکینوں پر صرف کرنا چاہیئے۔ مسکین اہل عرب کے محاورہ میں اُس شخص کو کہتے ہیں جو کمزور، بیچارہ، بے بس ہو۔ قرآن کریم نے یہودیوں کے قصے میں بیان کیا ہے۔ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ (سورۃ البقرہ۔ رکوع ۷۔ آیت نمبر ۵۸) یعنی اُن پر ذلت و بیچارگی کی مار پڑ گئی۔

(۳) جو لوگ زکاۃ کے متعلق مقرر ہوں اُنھیں اسی مد سے تنخواہ دینی چاہیئے؛

(۴) تالیف قلب کے ذریعے سے جن لوگوں کو پکا مسلمان بنانا مقصود ہو اُن پر صرف کرنا چاہیئے؛

(۵) غلاموں کے آزاد کرانے میں؛

(۶) قرضداروں کے قرضے ادا کرنے میں؛

(۷) اللہ کی راہ میں۔ عام طور پر فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں) کے معنے جہاد کے لیئے گئے ہیں یعنی مال زکاۃ کو جہاد کے ساز و سامان میں صرف کرنا چاہیئے۔ یہ مطلب بھی صحیح ہے اور ہم کو اس سے اختلاف کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیئے کہ ہم جانتے ہیں کہ جہاد یہی نہیں ہے کہ ہات پانؤں کی کوشش سے لڑ بھڑ کر نامسلمانوں کو اسلام کی تہذیب میں لایا جائے۔ بلکہ جہاد یہ بھی ہے کہ اسلام کی تہذیب (کلمۃ اللہ) کو سربلند رکھنے کے لیئے امن و آشتی کے پیرایہ میں دل و دماغ سے کام لیا جائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ائمۂ اسلام کا یہ اصول کہ القرآن یفسر بعضہ بعضاً (قرآن اپنے ایک حصہ سے دوسرے حصہ کا مطلب خود ہی بتا دیتا ہے) اگر صحیح ہے۔ تو اس مسئلہ میں بھی اُس سے رجوع کرنا چاہیئے۔ سورۂ یوسف میں ہے:۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔

(سورۂ یوسف۔ رکوع ۱۲۔ آیت نمبر ۱۰۸)

(اے پیغمبر لوگوں سے) کہو کہ میرا طریق تو یہ ہے کہ رب کو علم و یقین و حجت واضح کے ساتھ خدا کی طرف بلاتا ہوں میں (بھی) اور جن لوگوں نے میری پیروی کی (وہ بھی یہی کرتے ہیں) اور (اللہ کی ذات) پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں

نہیں ہوں۔[۵۱]

یہ آیہ بتا رہا ہے کہ اللہ کی راہ یہ ہے کہ اسلام کی دعوت و تبلیغ کی جائے اور اسکی جانب لوگوں کو بلایا جائے۔ یہ بھی شرط ہے کہ دعوت اسلام علی وجہ البصیرت ہو یعنی جو لوگ اس فرض کے ادا کرنے پر مامور ہوں وہ اسلام کی حقیقت کو علم و یقین و حجت واضحہ کے ساتھ سمجھ چکے ہوں۔ مطلب یہ ہوا کہ دعوت اسلام بھی مانع زکاۃ کا مصرف ہے۔ اور چوں کہ اس کے لئے اسلام کی حقیقت سمجھنے کی ضرورت ہے جو بغیر

[۵۱] علامہ ابن جریر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ "خدا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر کے اعلان کر دینے کی ہدایت کی تھی کہ میں جس راہ پر ہوں اور لوگوں کو جس بات کی دعوت کر رہا ہوں یعنی خدا کی توحید کی طرف بلانا۔ محض اسی کی عبادت کرنا۔ اور حد درجہ کی عبادت کرنا کسی اور کی عبادت سے کوئی تعلق نہ رکھنا۔ خدا کی نافرمانی سے بچنا۔ اصلی راہ یہی ہے میں اس کام کو علی وجہ البصیرہ یعنی علم و یقین و حجت کے ساتھ کر رہا ہوں اور جو لوگ میرے پیرو ہیں اُن کی بھی یہی خصوصیت ہو۔ اللہ پاک ذات و پاک صفات ہے اُس کے کسی معاملہ میں کسی کو مجال شرکت نہیں ہیں شرک کرنیوالوں سے بالکل بے علاقہ ہوں۔ نہ وہ مجھ سے تعلق رکھتے اور نہ میں اُن سے۔" اس کے بعد اسی مضمون کی چار حدیثیں روایت کی ہیں جن میں دوسری حدیث جو حضرت ابن زید سے مروی ہے اُس کا یہ فقرہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ "حق واللہ علی من اتبعہ ان یدعوا الی ما دعا الیہ ویذکر بالقرآن والموعظۃ وینھی عن معاصی اللہ" یعنی خدا شاہد ہے کہ اس شخص پر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیرو ہو حق ہے کہ آنحضرت جس طریق پر اسلام کی دعوت کرتے تھے وہ بھی اُسی طریق پر کرے۔ قرآن کے ذریعہ سے لوگوں کو متنبہ کرے وعظ و نصیحت کا شغل رکھے۔ خدا کی نافرمانیوں سے روکتا رہے۔" تفسیر ابن جریر جلد ۱۳ صفحہ ۴۶ طبع مطبعہ میمنیہ مصر ۱۳۲۱ھ

وسعت علم کے ناممکن ہے اس لئے علوم اسلام کی تعلیم میں بھی زکاۃ کو صرف کر سکتے ہیں۔
اس کی صورت یہ ہے کہ زکاۃ کا ایک باقاعدہ محکمہ قائم ہو اور وہ مستحقین کا وکیل بن کر مال زکاۃ
کو جمع رکھے اور حسب ضرورت اُن کی تعلیم وغیرہ پر صرف کرتا رہے۔ اس صورت میں تملیک[۱] کی
شرط بھی جو حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک لازمی ہے۔ پوری ہو جاتی ہے!

(۸) مسافروں کی آسائش بھی مال زکاۃ ایک مصرف ہے!

یاد رکھو صدقۂ فطر کے مصارف بھی یہی ہیں۔

فقہا نے زکاۃ کے صرف سات مصرف لکھے ہیں۔ مصرف چہارم (مؤلفۃ القلوب یعنی
وہ لوگ جنہیں پرچانا اور پکا مسلمان بنانا مطلوب ہو) کی ضرورت اُن کی رائے میں باقی نہیں رہی
تھی۔ یہ رائے اُس زمانہ میں جبکہ اسلام اپنے پورے جوش پر تھا حرف بحرف صحیح تھی اور
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی بنا پر صیغہ زکاۃ سے مؤلفۃ القلوب کی تواضع کرنے سے
انکار کر دیا تھا اور فرمایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب اس کی حاجت نہیں رہی
لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کے احکام دوامی ہیں جس بات کی ضرورت اُس زمانہ میں
نہ تھی اب اُس کی سخت ضرورت ہے۔ ہماری مذہبی حالت نہایت ضعیف ہے۔ اسلام کی
حقیقت سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ افلاس اتنی اجازت نہیں دیتا کہ تعلیم حاصل کریں اور
سچے مسلمان بنیں۔ تالیف قلب کے اگر یہی معنی ہیں کہ مالی امداد کے ذریعہ سے ایسے لوگوں
کے دلوں کو پرچائیں اور اُنہیں موقع دیں کہ اپنے آپ کو سچا مسلمان بنائیں۔ اور رسول اللہؐ کا

---

[۱] تملیک کے معنے یہ ہیں کہ کسی خاص شخص کو صدقہ زکاۃ کی کسی خاص مقدار کا مالک بنا دیا جائے
اس شرط کی بنا پر رفاہ عام کے وہ مصارف جن میں شخص معیّن کو روپیہ دینے کی جگہ اُس
کام کے لئے روپیہ دیا جاتا ہو زکاۃ کی مدسے ان کو کوئی تعلق نہیں۔ فتاوی عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۲۰۰۔

اس پر عمل درآمد بھی رہا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اب اس اصول کو ترک کر دیا جائے۔ اب تو سخت ضرورت ہے کہ جن لوگوں کی مالی حالت اُن کو حقیقت اسلام سے واقف ہونے کی اجازت نہیں دیتی اُن کی تعلیم میں آسانیاں پیدا کر کے سچے مسلمان بنا لینے کی کوشش کی جائے۔

علامہ ابو جعفر بن جریر طبری زکاۃ کا راز بتاتے ہیں:-

الصواب من القول فی ذلک عندی ان اللہ جعل الصدقۃ فی معنیین احدھما سد خلۃ المسلمین والاخر معونۃ الاسلام وتقویتہ فما کان فی معونۃ الاسلام وتقویۃ اسبابہ فانہ یعطاہ الغنی والفقیر لانہ لا یعطاہ من یعطاہ بالحاجۃ منہ الیہ وانما یعطاہ معونۃ للدین وذلک کما یعطی الذی یعطاہ بالجہاد فی سبیل اللہ فانہ یعطی ذلک غنیاً کان او فقیراً للغزو ولا لسد خلتہ۔ وکذلک المؤلفۃ قلوبھم یعطون ذلک وان کانوا اغنیاء استصلاحاً باعطائھموہ امر الاسلام

میرے نزدیک ٹھیک بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زکاۃ کی دو غرضیں ٹھہرائی ہیں ایک تو مسلمانوں کے افلاس کا سدباب۔ اور دوسرے اسلام کی اعانت اور تقویت۔ زکاۃ کا وہ حصہ جس سے اسلام کی اعانت اور اسباب و وسائل اسلام کی تقویت منظور ہو اُسے غنی و فقیر سب کو دے سکتے ہیں۔ اس لئے کہ اس دینے کی یہ غرض نہیں ہے کہ جس کو زکاۃ دی جاتی ہے وہ اس کا حاجتمند ہے بلکہ یہ تو محض اسلام کی اعانت کے لئے دی جاتی ہے۔ جیسے کسی کو جہاد فی سبیل اللہ کی مد میں دی جائے کہ اس میں غنی و فقیر کا کوئی امتیاز نہیں۔ یہ زکاۃ جہاد کے لئے دی جاتی ہے۔ دفع احتیاج کے لئے نہیں دی جاتی۔ اسی طرح مؤلفۃ القلوب سب

وطلب تقويته وتاييده. وقد اعطى النبي صلى الله عليه وسلم من اعطى من المولفة قلوبهم بعد ان فتح الله عليه الفتوح وفشا الاسلام واعز اهله. فلا حجة لمحتج بان يقول لا يتألف اليوم على الاسلام احد لامتناع اهله لكثرة العدد ممن ارادهم وقد اعطى النبي صلى الله عليه وسلم من اعطى منهم في الحال التي وصفت[1] +

کو بھی زکاۃ دینی چاہئے۔ خواہ وہ دولتمند ہی کیوں نہ ہوں۔ بشرطیکہ اس دینے سے اسلام کے لئے صلاحیت و تائید و تقویت مقصود ہو۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال زکاۃ اس وقت بھی مولفۃ القلوب کو دیا ہے جبکہ فتوحات کا سلسلہ وسیع۔ اسلام ظاہر اور اہل اسلام غالب ہو چکے تھے اس صورت میں یہ استدلال صحیح نہیں کہ اب مسلمانوں کا غلبہ ہے۔ اُن کی تعداد بھی کثیر ہے اس لئے اب مولفۃ القلوب کی ضرورت نہیں رہی حالانکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس حالت میں بھی مولفۃ القلوب کو دیتے رہتے ہیں جبکہ ظہور اسلام کی طاقت نے ہر طرح کی کمزوریاں مٹادی تھیں۔ +

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں:۔

والجملة في ذلك (اي في مصرف الزكاة) ان الحاجات من هذا النوع (اي النوع الذي يمكن صرف الزكاة اليه) وان كانت كثيرة جدا لكن العمدة فيها ثلاثة، المحتاجون وضبطهم

زکاۃ کے مصارف کا خلاصہ یہ ہے کہ جن ضرورتوں میں زکاۃ کو صرف کرنا چاہئے گو وہ بہت ہیں تاہم ان سب میں اصلی و بنیادی مصارف تین ہیں (۱) محتاج جن کو شارع نے فقیروں اور مسکینوں اور مسافروں اور اُن لوگوں سے مخصوص

[1] تفسیر ابن جریر جلد ۱۰ صفحہ ۹۹ و ۱۰۰۔

الشارع بالفقراء والمساكين وابناء
السبيل والغارمين في مصلحة
انفسهم - والحفظة وضبطهم
بالغزاة والعاملين على الجبايات
والثالث مال يُصرف الى دفع
الفتن الواقعة بين المسلمين
او المتوقعة عليهم من غيرهم
وذلك اما ان يكون بمواطاة
ضعيف النية في الاسلام بالكفار
او برد الكافر عما يريد من المكيدة
بالمال - ويجمع ذلك اسم المؤلفة
قلوبهم - او المشاجرات بين المسلمين
وهو الغارم في حُمالة يتحملها -
وكيفية التقسيم عليهم وانه
بمن يبدء وكم يعطي مفوّض
الى رأي الامام[1] -

کر رکھا ہے جو اپنی ذاتی مصلحت کی بنا پر
قرضدار ہوں - (۲) محافظ یعنی جہاد کرنیوالے
اور زکاۃ کے محصل - (۳) مسلمانوں کے مابین
جو فتنہ و فساد واقع ہوں یا نامسلمانوں کی
کوشش سے واقع ہونے کے خطرات ہوں
اُن کے دفع کرنے کی تدبیروں میں مال زکاۃ
کو صرف کرنا - اس کی صورت یہ ہے کہ کسی
ضعیف الاسلام آدمی نے جس کے مذہبی ارادے
کمزور ہوں کافروں کے ساتھ موافقت پیدا
کرلی ہو اور اب اُس کو راہ پر لانا ہو - یا کفار مالی
ذرائع سے اسلام کے خلاف جو تدبیریں کر رہے
ہوں اُن کا توڑ مقصود ہو - ان اقسام کا اصطلاحی
نام مولفۃ القلوب ہے - یا مسلمانوں میں باہم جھگڑے
پیدا ہو گئے ہوں (اور اُن کو مٹانے کی ضرورت ہو)
یہ صورت بھی قرضدار کی صورت ہے جو قرضے کا
ایک بوجھ اُٹھائے ہوئے ہے (اور اگر
اس بوجھ سے اُسکو سبکدوش نہیں کیا جاتا تو مسلمانوں کے مابین جھگڑے لڑائی کا اندیشہ ہے)
یہ مسئلہ کہ مال زکاۃ کو ان پر کیونکر تقسیم کرنا چاہیئے؟ کس کو پہلے دینا چاہیئے اور کتنا دینا چاہیئے؟
یہ پیشوائے وقت کی رائے پر منحصر ہے[1] -

[1] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۲۳۰، ۲۳۹ -

حافظ ابن القیم باب ما کان من ھدیہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الزکاۃ والصدقات
میں بیان کرتے ہیں :-

فان لم یکن الآخذ محتاجاً ولا فیہ منفعۃ للمسلمین فلا سھم لہ فی الزکاۃ[۵]

یعنے والا اگر محتاج نہو اور نہ اُس کے دینے میں مسلمانوں کو کوئی نفع پہونچتا ہو تو اُس کا کچھ بھی حصہ زکاۃ میں نہیں ہے[۵]

ان تصریحات سے چند خاص باتیں معلوم ہوتی ہیں :-
(الف) اللہ تعالیٰ نے جن آٹھ قسم کے لوگوں کے لئے زکاۃ معین کی ہے اُن میں منشائے تعیین کا بھی لحاظ رکھنا پڑے گا؛
(ب) زکاۃ دینے کی دو غرضیں ہیں۔ (۱) مسلمانوں کی مفلسی دور ہو۔ (۲) اسلام کو تقویت پہونچے؛
(ج) جو زکاۃ اسلام کی تقویت کے لئے دی جائے اُس کے لئے یہ کوئی لازمی شرط نہیں کہ لینے والا محتاج ہو۔ جو محتاج نہو اُس کو بھی زکاۃ دے سکتے ہیں بشرطیکہ تقویت اسلام کی غرض اُس کے دینے سے حاصل ہو سکتی ہو؛
(د) مسلمانوں کی اندرونی کمزوریوں کی اصلاح میں بھی زکاۃ کا مال صرف ہو سکتا ہے مثلاً فتنہ و فساد کو مٹانا۔ قرضہ ادا کرنا۔ نامسلمانوں کی خلاف اسلام کوششوں کا ازالہ۔ ونحو ذلک مما یدخل تحت ہذہ الاقسام؛
(ہ) مسلمانوں کی منفعت میں زکاۃ صرف کی جا سکتی ہے؛
تاریخ مدعی ہے اور تیرہ سو برس سے لے کر اب تک کے روزانہ واقعات شہادت دیتے چلے

[۵] زاد المعاد (طبع میمنیہ مصر سنہ ۱۳۲۴ھ) جلد ۱ صفحہ ۴۰۳

آتے ہیں کہ بغیر تعلیم کے نہ مسلمانوں کا افلاس دور ہوسکتا اور نہ اسلام کو تقویت پہونچ سکتی۔ جب تک مسلمان عام طور پر تعلیم یافتہ نہ ہونگے قوم کی اندرونی کمزوریوں کی اصلاح ناممکن ہے یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نصاب اصلاح میں تعلیمی کوششیں جزو اعظم کی حیثیت رکھتی تھیں۔ قرآن کریم میں ہے:-

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۔ +

(سورۃ البقرۃ۔ رکوع ۱۸۔ آیت نمبر ۱۴۵)

(مسلمانو!) جیسا احسان ہم نے کیا ہے ویسی ہی ایک نعمت یہ بھی ہے کہ تم میں ایک پیغمبر بھیجا جو تمہاری ہی قوم کا ہے۔ وہ تمکو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے۔ اور تمہاری اصلاح کرتا ہے اور تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور اُن باتوں کی تعلیم دیتا ہے جو تمہیں پہلے سے معلوم نہ تھیں۔

ایک دوسرے مقام پر ہے:-

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ +

(سورۃ الجمعہ۔ آیت نمبر ۲)

وہ (خدا) ہی تو ہے جس نے (عرب کے) جاہلوں میں اُنہیں میں سے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو) پیغمبر (بناکر) بھیجا (کہ وہ) اُن کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور اُن (کے نفس) کو پاک و صاف کرتے ہیں اور اُن کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ ورنہ (اس سے) پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں مبتلا تھے۔

غرض یہ ہے کہ مسلمانوں کا یہ ایک نہایت مقدس فرض ہے کہ قرآن کریم کی

ہدایت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل کو اپنا پیشوا بنائیں۔ یعنی :۔

(۱) زکاۃ کا ایک محکمہ قائم کریں جس کی شاخیں ہر جگہ پھیلی ہوں۔ عام طور پر ہر شخص جس پر زکاۃ واجب ہو اپنی زکاۃ کا روپیہ جیسا کہ خلفائے راشدین کے عہد میں دستور تھا اسی محکمہ میں بھیجے۔

(۲) بہتر تو یہی ہے کہ یہ محکمہ مکمل صورت میں ہو اور مسلمانوں کی جس قدر اہم ضرورتیں زکاۃ کے تحت میں آسکتی ہیں سب کو اس سے مدد ملے۔ لیکن آغاز کار میں اگر وسیع پیمانے پر اس کا انتظام نہ ہو سکے تو ابتدائی صورت میں محکمہ کو کم از کم اسی امر کا بندوبست کرنا چاہئے کہ زکاۃ کی آمدنی سے فقیر و مسکین خاندانوں کے طلبہ کو وظائف دے کر تعلیم دلائے فقرا و مساکین پر مال زکاۃ صرف کرنے میں جب یہ شرط نہیں ہے کہ اُن کے کھانے پینے ہی میں یہ آمدنی خرچ ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کے ذریعے سے اُن کے بچوں کو تعلیم دلائی جائے جبکہ ضرورت سب پر مقدم ہے۔ فقہا کو خود بھی تعلیمی ضرورتوں کا اعتراف ہے اور وہ تسلیم کرتے ہیں کہ بہ نسبت جاہل کے تعلیم یافتہ و صاحب علم حاجتمند کو زکاۃ کا دینا زیادہ بہتر ہے[۱] اس کے لئے ہاشمی نہ ہونے کی بھی شرط نہیں۔ فتاویٰ بزازیہ میں ہے :۔

روی الامام الجامع عن الامام الاعظم رحمهما الله انه يجوز دفع الزكاة الى الهاشمي[۲]،	امام جامع حضرت امام اعظم سے روایت کرتے ہیں کہ بنی ہاشم (سادات) کو زکاۃ کا دینا جائز ہے[۲]،

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں :۔

---

[۱] فتاویٰ عالمگیری (طبع مصر ۱۳۲۳ھ) جلد ۱ صفحہ ۱۹۹؎

[۲] بزازیہ۔ جلد ۱ صفحہ ۹۹۔ (برحاشیہ عالمگیری۔ جلد ۴)؎

ولا یجوز (ای صرف الزکاۃ) الی بنی هاشم هذا علی ظاهر الروایۃ وروی ابو عصمۃ عن ابی حنیفۃ انه یجوز فی هذا الزمان وان کان ممتنعاً فی ذالك الزمان۔ ؎۱ +

ظاہری روایت یہ ہے کہ بنی ہاشم کو زکاۃ دینا جائز نہیں ہے۔ مگر ابو عصمہ نے حضرت امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہے کہ گو اُس زمانہ میں یہ امر جائز نہ ہو مگر اس زمانہ میں یقیناً جائز ہے ؎۱ +

یہ بھی لازمی نہیں کہ محکمہ زکاۃ جس شخص کو وظیفہ دے وہ بالکل ہی کنگال ہو۔ زکاۃ اُن تمام لوگوں کو دی جا سکتی ہے جو خود زکاۃ نہ دے سکتے ہوں۔ اس لئے محکمہ ہر ایک مستحق طالب العلم کو جس کی ثروت حدِ نصاب تک نہ پہونچتی ہو زکاۃ کی آمدنی سے وظائف دے سکتا ہے۔ عالمگیری میں ہے:۔

ویجوز دفعها (ای دفع الزکاۃ) الی من یملك اقل من النصاب وان کان صحیحاً مکتسباً کذا فی الزاهدی ویجوز صرفها الی الاب المعسر وان کان ابنه موسراً کذا فی الشرح الطحاوی ویجوز صرفها الی من لا یحل له السؤال اذا لم یملك نصاباً وان کانت له کتب تساوی مائتی درهم الا انه یحتاج الیها للتدریس

وہ شخص جو نصاب زکاۃ سے کم مقدار مال کا مالک ہو (یعنی اُس کے پاس اتنا فاضل روپیہ نہ ہو جو ساڑھے باون تولے چاندی یا ساڑھے سات تولے سونے کے برابر ہو سکے) تو اُس کو زکاۃ دینا جائز ہے۔ چاہے وہ تندرست اور کمانے والا ہی کیوں نہ ہو۔ یہ مسئلہ زاہدی میں مذکور ہے۔ باپ اگر تنگدست ہو اور اُسکا بیٹا خوشحال ہو تو باپ کو زکاۃ دے سکتے ہیں۔ یہ مسئلہ شرح طحاوی میں موجود ہے۔ جس شخص کو سوال

؎۱ فتح القدیر۔ جلد ۲ صفحہ ۲۷۴۔ (طبع بولاق ۱۳۲۵ھ)۔

او التحفظ او التصحيح يجوز صرف الزكاة اليه كذا في فتاوى قاضي خان۔ سواءٌ كانت فقهاً او حديثاً او ادباً۔ هكذا في محيط السرخسي [۵]

درست نہ ہو اور اُس کی ملکیت نصاب زکاۃ سے کم ہو اُس پر بھی مال زکاۃ کا صرف کرنا جائز ہے۔ خواہ اُس کے پاس اتنی کتابیں ہوں جو دو سو درم (یعنی مقدار نصاب زکاۃ) کے برابر ٹھہرتی ہوں۔ مگر وہ شخص پڑھانے یا کتاب کے مطالب محفوظ رکھنے یا تصحیح کرنے کی وجہ سے اُن کتابوں کا حاجتمند ہو۔ یہ مسألہ فتاوی قاضی خان میں ہے۔ یہ کتابیں چاہے فقہ کی ہوں یا حدیث کی یا ادب کی سب برابر ہیں۔ یہ مسألہ محیط سرخسی میں ہے [۵]۔ +

یہ بھی ضروری نہیں کہ محکمۂ زکاۃ کے منتظم اپنے مستحق اعزہ و اقربا کو اس فنڈ سے تعلیمی وظائف نہ دلائیں۔ مدوّنہ میں ہے :-

كان ابن عباس وغيره من اهل العلم يرون ان اعطاء المرء قرابته من زكاته بوجه الصحة على وجه ما يعطي غيره من زكاة ماله مجزئ عنه (المدونه ج ۲ ص ۵۸)

حضرت ابن عباس اور اُن کے علاوہ اہل علم کی بھی یہی رائے ہے کہ جس طرح غیروں کو مال زکاۃ دیتے ہیں اُسی طرح اگر کوئی شخص ٹھیک طور پر اپنی زکاۃ کا مال اپنے اعزہ کو دے تو جائز ہے۔ (ج ۲ ص ۵۸)

ساتھ ہی یہ امر بھی فراموش کرنے کے قابل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں پر

---

[۴] عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۲۰۰ و ۲۰۱ سے۔ [۵] عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۲۰۰ میں ہے۔ فهذه جهات الزكاة وللمالك ان يدفع الى كل واحد وله ان يقتصر على صنف واحد كذا في الهداية وله ان يقتصر على شخص واحد كذا في فتح القدير یعنی جائز ہے کہ زکاۃ کی آمدنی اُن سب لوگوں کو دی جائے جن کو دینی چاہیئے یا ایک ہی صنف پر محدود رکھی جائے جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ایک ہی شخص کو دی جائے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔

زکاۃ صرف کرنے کی ہدایت کی ہے اُن میں یہ شرط نہیں ہے کہ جب زکاۃ دی جائے سب کو دی جائے۔ اگر ایک ہی صنف کو دی جائے جب بھی کوئی مضائقہ نہیں[۵۱]۔ حضرت علی (کرم اللہ وجہہ) آیۂ انما الصدقات للفقراء والمساکین کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

فاذا اعطیت (ای الزکاۃ) صنفاً من هذه التسمیة التی سماها الله اجزاك وان کان صنفاً۔[۵۲]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کا نام لیا ہے اُن میں سے اگر ایک ہی قسم کے لوگوں پر تم زکاۃ کو صرف کرو جب بھی کافی ہے[۵۲]۔

حضرت عمرؓ سے روایت ہے:۔

عن لیث عن عطاء عن عمر انما الصدقات للفقراء الایہ قال ایما صنف اعطیته من هذا اجزاك[۵۳]

لیث نے بروایت عطاء حضرت عمرؓ کی حدیث بیان کی کہ آیت انما الصدقات للفقراء الخ کی تفسیر میں وہ کہتے تھے کہ اس میں سے جس قسم کے لوگوں کو بھی تم زکاۃ دو کافی ہے[۵۳]

شاہ ولی اللہ صاحب زیرِ عنوان امورِ متعلق بالزکاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند حدیثیں روایت کرتے ہیں:۔

خیر الصدقة ما کان عن ظهر غنی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بہترین

---

۵۱ المدونة الکبری (طبع مطبعۃ السعادہ مصر ۱۳۲۳ھ) جلد ۲ صفحہ ۵۸۔

۵۲ المدونة الکبری۔ جلد ۲ صفحہ ۵۶۔

۵۳ تفسیر ابن جریر جلد ۱۰ صفحہ ۱۰۱۔ ابن جریر نے اس کے بعد ۱۳ حدیثیں حذیفہ و عمر و عطاء و سعید بن جبیر و ابن عباس و ابراہیم و ابو العالیہ و میمون بن عمران سے اسی مضمون کی روایت کی ہیں دیکھو صفحہ ۱۰۱ و ۱۰۲)۔ +

وابدء بمن تعول (اى بمن تلزمك نفقته) وقيل له صلى الله عليه وسلم اىّ الصدقة افضل قال جهد المقل وابدء بمن تعول[1]

زکاۃ وہ ہے جو دولتمند کی جانب سے ہو اس میں پہلے تم اُن لوگوں پر صرف کرو جن کے مصارف کی کفالت تم پر لازم ہو۔ دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ سب سے اچھی زکاۃ کس کی ہے۔ آپ نے فرمایا اُس کم مایہ آدمی کی جو اپنی کوشش سے ادا کرے۔ اور جن لوگوں کے مصارف کی کفالت تم پر لازم ہو پہلے زکاۃ کی آمدنی اُنھیں پر صرف کرو[1]

اس کے قبل ایک اور حدیث روایت کی ہے۔ اُس کی تمہید میں لکھتے ہیں:—

كان من الناس من يترك اهله واقاربه ويتصدق على الاباعد وفيه اهمال من رعايته اوجب وسوء التدبير وترك تألف الجماعة القريبة منه فمست الحاجة الى سد هذا الباب فقال النبي صلى الله عليه وسلم: دينار انفقته فى سبيل الله ودينار انفقته فى رقبة ودينار تصدقت به على مسكين ودينار انفقته على اهلك اعظمها اجرا الذى انفقته

بعض لوگ اپنے اہل وعیال واعزہ کو چھوڑ کر پرائے لوگوں کو زکاۃ وخیرات دیا کرتے تھے۔ اس میں خرابی یہ تھی کہ جس کا لحاظ سب سے زیادہ ضروری تھا اُس سے چشم پوشی ہوتی تھی تدبیر بھی ناقص تھی اور وہ طبقہ جو اُس کا قریبی طبقہ ہے اُس سے چھوٹا جاتا تھا۔ اس خرابی کے دفع کرنے کی چونکہ ضرورت تھی اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دینار (اشرفی) وہ ہے جسے تم نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا، ایک دینار وہ ہے جسے تم نے کسی غلام کے آزاد کرانے میں صرف کیا ہو۔ ایک دینار وہ ہے

[1] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۲۴۱ +

علی اھلک "(ص ۲۴۴) | جسے کسی مسکین کو دیا ہو۔ ایک دینار وہ ہے جو اپنے

اہل وعیال پر خرچ کیا ہو۔ ان سب میں زیادہ اجر وثواب اُسی کا ہے جو اہل وعیال پر خرچ ہو"۔

حیف ہے کہ ان حکیمانہ تعلیمات پر بھی مسلمان زکاۃ نہ دیں۔ اور اگر دیں بھی تو اُسکو صحیح مصرف میں خرچ نہ کریں۔ مسلمانوں کا مستقبل محض تعلیم و تربیت سے وابستہ ہے۔ مگر تعلیم کے مشکلات اس قدر وسیع ہیں کہ اب بہت کم لوگ اس شاخ سے سرسبز ہو سکتے ہیں۔ یہ دقت اُسی وقت زائل ہو سکتی ہے۔ جب بیت المال کی ایک شاخ یعنی محکمۂ زکاۃ کا باضابطہ افتتاح ہو اور اُس کے ذریعے سے قوم کی عام تعلیم کا انتظام کیا جائے۔ مستحقین کو تعلیمی وظائف دیئے جائیں۔ اور ہر شخص کو موقع حاصل ہو کہ وہ اپنی زکاۃ کا جو روپیہ محکمہ میں بھیجے وہ حسب ضرورت اُس کے اہل وعیال کی تعلیم میں خرچ ہو اور محکمہ اُن کو وظائف دے کر مفید و ضروری تعلیم دلائے۔ کہ "بے علم نتواں خدا را شناخت"۔ +

ذیل باب

زکاۃ کن لوگوں پر واجب ہے اور اُس کی مقدار کیا ہے؟

زکاۃ انہیں لوگوں پر واجب ہے جن میں حسب ذیل شرائط موجود ہوں۔

(۱) آزاد ہوں۔

(۲) مسلمان ہوں۔

(۳) عاقل و بالغ ہوں۔

(دہم) مال بقدر نصاب موجود ہو۔ سونے میں نصاب ۲۰ دینار ہے اور چاندی میں دو سو درم۔ بیس دینار کے آجکل کے حساب سے سات تولے چھ ماشے ہوتے ہیں اور درم کا حساب یہ ہے کہ پانچ درم برابر ہیں پندرہ ماشے چھ رتی کے۔ یعنی جس شخص کے پاس ساڑھے باون تولے چاندی یا ساڑھے سات تولے سونا اُس کی ذاتی ملکیت میں ہو اُس پر زکاۃ دینا فرض ہے۔ اِس سے اگر کچھ بھی کم ہو تو زکاۃ فرض نہیں ہے۔ یہ حساب عام فقہا و محدثین کی رائے کے مطابق ہے۔ لیکن مولانا عبدالحی فرنگی محلی کی رائے میں سونے کا نصاب ساڑھے پانچ تولہ اور چاندی کا ۳۶ تولہ نصف ماشہ ہے[۵۱]۔

سونے چاندی کا چالیسواں حصہ زکاۃ میں دینا چاہئے۔

مواشی پر بھی زکاۃ واجب ہے۔ مگر صرف اونٹ۔ گائے۔ بکری پر۔ گھوڑے گدھے وغیرہ اور کسی جانور پر واجب نہیں۔

غلہ اور پھلوں کی کھیتوں پر بھی زکاۃ واجب ہے (تجارت و زراعت سے یہی مراد ہے) ترکاریوں پر واجب نہیں۔

مال تجارت میں محدثین کے نزدیک زکاۃ نہیں ہے۔ فقہا کے نزدیک ہے۔

جواہر۔ سواری کے جانور۔ اور رہنے کے گھر۔ پہننے کے کپڑے۔ گھر کی استعمالی چیزیں۔ استعمالی اسلحہ۔ علمی کتابیں۔ پیشہ وروں کے آلات۔ یہ سب زکاۃ سے مستثنیٰ ہیں۔

زیورات کی زکاۃ میں اختلاف ہے۔ بعض علماء واجب بتاتے ہیں اس لئے کہ زیور کوئی ضروریات زندگی میں نہیں ہے کہ زکاۃ سے مستثنیٰ ہو۔ اور بعض کی رائے میں چونکہ یہ روزمرہ کی استعمالی چیز ہے۔ لہذا اس پر زکاۃ نہ ہونی چاہئے۔

---

۵۱ عمدۃ الرعایہ۔ جلد ۲ صفحہ ۱۳۳۔ حاشیہ قولہ خمس شعیرات (مطبع انوار محمدی لکھنؤ ۱۳۰۲ھ)۔

اِن مسائل کی توضیح و تفصیل کو ہم عمداً قلم انداز کرتے ہیں۔ اس کے لئے فقہ و حدیث کی کتابیں دیکھنی چاہئیں۔

(۵) مال پر پورا قبضہ حاصل ہو۔

(۶) مال کام میں نہ لگا ہو۔ ضرورت اصلی سے فارغ ہو۔

(۷) قرضہ نہو۔ یا قرضہ میں مکفول نہو۔

(۸) مال میں بڑھنے کی صلاحیت ہو۔ اس پر بھی اگر کوئی اس کے بڑھانے کی تدبیر نہ کرے اور رکھا رہنے دے تو بہتر یہی ہے کہ زکاۃ میں خرچ ہو اور قوم کو فائدہ پہونچے زکاۃ کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ مال پڑا نہ رہے کسی مفید کام میں لگا رہے جس سے ترقی ہوتی رہے۔

(۹) پورا سال اس پر گزر گیا ہو۔

ان میں اگر ایک شرط بھی پوری نہ اترے تو زکاۃ ساقط ہے۔ [۵۱]

محکمۂ زکاۃ کو اگر ضرورت ہو تو سال دو سال کی زکاۃ پیشگی بھی لے سکتا ہے۔ حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں:۔

وکان رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم اذا عراہ امرٌ استسلف الصدقۃ من اربابھا کما استسلف من العباس رضی اللّٰہ عنہ صدقۃ عامین۔ [۵۲]

رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کو جب کوئی ضرورت پیش آتی تو اہل نصاب سے پیشگی زکاۃ لے لیا کرتے تھے چنانچہ حضرت عباسؓ سے آپ نے دو سال کی زکاۃ پیشگی لی تھی۔ [۵۲]

---

[۵۱] عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۸۲ — ۱۸۷۔

[۵۲] زاد المعاد۔ جلد ۱ صفحہ ۱۵۵۔

زکاۃ دینے سے اگر کوئی بلاوجہ انکار کرے تو اس کے اسلام میں خلل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب لوگ مرتد ہونے لگے۔ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں قبائل عرب کے ایک وفد نے حاضر ہو کر درخواست کی کہ نماز پڑھنے کے لیے ہم حاضر ہیں زکاۃ سے ہم کو معاف کیا جائے۔ بعض صحابہؓ نے بھی یہی صلاح دی کہ زکاۃ کوئی جزو ایمان تو ہے نہیں۔ اس فتنہ و فساد کے زمانے میں مصلحت یہی ہے کہ کچھ روز کے لیے اس سے چشم پوشی کر لی جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا لو منعونی عقالاً لجاھدتھم علیہ (اونٹ باندھنے کی معمولی رسی بھی جو پہلے زکاۃ میں دیتے رہے ہوں اب نہ دینگے تو میں اس کے لیے جہاد کرونگا) آخر اسی رائے کے مطابق فیصلہ ہوا اور تلوار کے زور سے زکاۃ لی گئی۔[۱] افسوس ہے کہ آجکل صلاۃ و زکاۃ دونوں میں ہم کسی کے بھی پابند نہیں ہیں اور اس پر بھی اپنے آپ کو مسلمان سمجھ رہے ہیں۔ ھذا العمری فی القیاس بدیع !!!

ساتواں باب

بیت المال کا دخل و خرچ

فِیۡۤ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ مَّعۡلُوۡمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ (سورۃ المعارج۔ رکوع اول آیت نمبر۲ جزو ۲۹)

مسلمانوں کے مالوں میں مانگنے والے اور محروم دونوں کا ایک خاص حصہ معین ہے۔

[۱] طبری جلد ۳ صفحہ ۲۲۳ (طبع مصر ۱۳۲۶ھ)۔

اسلامی تمدن کے عہد میں محکمہ بیت المال کی آمدنی کے چار ذرائع تھے:۔

(۱) زکاۃ و عشر۔

(۲) خمس (مال غنیمت کا پانچواں حصّہ) معدنیات کی آمدنی۔ زمین میں گڑے ہوئے مال (رکاز) کی آمدنی:

(۳) خراج و جزیہ۔

(۴) گری ہوئی چیزوں اور لاوارثی مال کی توفیر:

ان مداخل کے ساتھ حسب ذیل مخارج معیّن تھے:۔

(الف) زکاۃ و عشر کی آمدنی مستحقین کی حاجت برآری۔ غلاموں کی آزادی۔ اور غازیوں کے ساز و سامان میں صرف کی جاتی تھی:

(ب) خمس وغیرہ کو یتیم مسکین۔ و مسافر پر خرچ کرتے تھے:

(ج) خراج و جزیہ سے فوج کی تنخواہ دی جاتی تھی۔ سرحد کی حفاظت ہوتی تھی قلعے بنتے تھے۔ سڑکوں اور پلوں کی مرمت کی جاتی تھی۔ بڑی بڑی نہریں کھودی اور جاری رکھی جاتی تھیں۔ سرائیں اور مسجدیں بنتی تھیں۔ پانی کے بند باندھتے تھے اور اُس کے استحکام کا بندوبست رکھتے تھے۔ تعلیم کا انتظام تھا۔ پڑھنے والوں اور پڑھانے والوں کو وظائف ملتے تھے۔ ملازموں کو اور اُن سب لوگوں کو جو مسلمانوں کے فائدے کے لئے کام کر رہے ہوں تنخواہیں دی جاتی تھیں:

(د) توفیر کا خرچ یہ تھا کہ بیماروں کی تیمارداری ہو اور اُن کے کھانے پینے اور دواؤں کا انتظام رہے۔ غریب مُردوں کی تجہیز و تکفین ہو۔ لقیط یعنی سرِ راہ جو لڑکے پڑے ملیں اُن کی پرورش کا انتظام ہو۔ جو کمانے سے عاجز ہو اُس کے معاش کا سامان کر دیا جائے[1]:

[1] عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۲۰۲ و ۲۰۳:

یہ انتظام نہایت معقول تھا۔ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کی کسی قومی یا مذہبی ضرورت کی کار برآری میں خلل نہیں پڑ سکتا تھا۔ اور اس کی مطلق حاجت نہیں ہی تھی کہ جن شاخوں کے متعلق جو جو خرچ باندھ دیئے گئے ہیں اُن میں خلط و ملط کر دیا جائے۔ ملک کی سب سے بڑی سب سے اچھی۔ اور سب سے زیادہ قطعی وصول ہونے والی آمدنی خراج کی تھی۔ اس لئے تعلیم کا خرچ جس کو اکثر مخارج پر نمایاں ترجیح حاصل تھی اسی شاخ پر ڈالا گیا۔ اور زکاۃ کی آمدنی دوسرے مدات کے لئے اُٹھا رکھی گئی اور تصریح کر دی گئی کہ پل و مسجد و سقایہ (پانی پینے کی سبیل) اور سڑکوں کی مرمت اور نہروں کا کھودنا اور جاری رکھنا اور حج و جہاد اور میت کی تجہیز و تکفین اور اُس کے قرضے کا ادا کرنا اور اسی طرح کی وہ تمام صورتیں جن میں تملیک (یعنی جس شخص خاص کو زکاۃ دی جائے اُس کی ملکیت میں خصوصیت کے ساتھ وہ رقم آجائے) کی صورت نہیں پائی جاتی۔ اُن میں زکاۃ کی آمدنی کا صرف کرنا جائز نہیں[۵۱] لیکن غور کرو اب نہ بیت المال رہا۔ نہ بیت المال کی شاخیں رہیں۔ نہ رفاہ عام کے لئے کوئی فنڈ رہ گیا۔ نہ ایسے صیغے رہے جن سے قومی ضرورتیں رفع ہو سکتیں۔ ایسی صورت میں موجودہ حالت کو گزشتہ پر قیاس کرنا محض بے معنی ہے۔ اُس زمانے میں اگر زکاۃ کی آمدنی تعلیم میں بھی صرف کی جاتی ہو تو کوئی مضائقہ نہ تھا اس لئے کہ خراج و جزیہ کی آمدنی سے تعلیم کا نہایت وسیع انتظام موجود تھا۔ جب یہ صورت ہی اب نہیں رہی تو زکاۃ کی آمدنی بھی اگر عام تعلیم میں خرچ نہ کی جائے تو پھر اس اہم ترین اسلامی ضرورت کے رفع ہونے کی کیا صورت ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و طرز عمل سے واضح ہے کہ منشائے زکاۃ محض مسلمانوں کی فلاح و بہبود قوم ہے۔ اور اسی غرض میں اس کو صرف بھی ہونا چاہئے۔ یہ بھی ثابت ہے

---

۵۱ عالمگیری۔ جلد ۱ صفحہ ۲۰۰؎

کہ تملیک کی شرط فقہائے اسلام (رضوان اللہ علیہم) نے اپنے اجتہاد سے پیدا کی ہے ؛
احادیث میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں۔ ظاہر ہے کہ قوم کی فلاح و بہبود کے تمام خوشگوار توقعات
محض حسن تعلیم و تربیت پر منحصر ہیں۔ لہذا فریضۂ زکاۃ سے اگر ہم نے اسی مقدم فرض
(تعلیم) کے عام کرنے اور اس کی عمومیت کے لئے محکمۂ زکاۃ قائم کرکے تعلیمی وظائف دینے ہی
میں کوتاہی کی تو پھر معمولی تدبیروں سے قوم کا کیا بھلا ہونا ہے۔ بحیثیت تقلید ہم کو تملیک
کی شرط میں کچھ پس و پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن جب خود ہمارے فقہا کو
اس صورت میں اختلاف نہیں ہے کہ ہر شخص اپنی اپنی زکاۃ کو محکمۂ زکاۃ میں (جس کا
دوسرا نام محکمۂ بیت المال کی ایک شاخ ہونے کی وجہ سے بیت المال تعلیمی ہونا چاہئے)
جمع کراتا ہے۔ اور محکمۂ اس کو انھیں مستحق طلبہ کے تعلیمی وظائف میں خرچ کرے جو فقیر یا
مسکین یا مؤلفۃ القلوب یا غلام یا قرضدار یا مسافر ہوں۔ یا وہ فی سبیل اللہ امداد کے مستحق
ہوں۔ اس صورت میں بیت المال تعلیمی زکاۃ کا امین اور طلبہ کا وکیل ہوگا اور مال زکاۃ
کو وظائف کی صورت میں طلبہ کو دیتا رہے گا۔ اور اس طرح تملیک کی شرط خاطر خواہ پوری
ہو جائے گی ؛

یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ زمانہ کی ضرورتوں کا مسائل فقہیہ پر اثر پڑ سکتا ہے یا نہیں؟
جواب اگر اثبات میں ہے تو ظاہر ہے کہ موجودہ حالت میں جب کہ ضرورتیں اس امر کی سخت
متقاضی ہیں کہ زکاۃ کا ایک وسیع محکمہ قائم کرکے اس کی آمدنی سے مستحق مسلمان طلبہ کو وظائف
دے کر مفید تعلیم دلائی جائے۔ اس مسئلہ کے جواز میں کوئی شبہہ نہیں ہو سکتا۔ اور اگر پہلے
ایسا دستور نہ بھی رہا ہو تو اس کے رائج کرنے میں کوئی قباحت نہ ہوگی۔ علامہ ابن عابدین
شامی (مؤلف ردّ المحتار) نے اس بحث پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام

نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف ہے۔ یہ رسالہ اور بہت سے رسائل کے ساتھ ایک مجموعہ میں شائع ہوگیا ہے۔ علامہ موصوف اس میں لکھتے ہیں:۔

المسائل الفقهية اما ان تكون ثابتة بصريح نص وهي الفصل الاول - واما ان تكون ثابتة بضرب اجتهاد ورأيٍ۔ وكثير منها ما يبينه المجتهد على ما كان في عرف زمانه بحيث لو كان في زمان العرف الحادث لقال بخلاف ما قاله اولاً - ولهذا قالوا في شروط الاجتهاد انه لابد فيه من معرفة عادات الناس۔ فكثير من الاحكام تختلف باختلاف الزمان لتغير عرف اهله او لحدوث ضرورة او فساد اهل الزمان۔ بحيث لو بقي الحكم على ما كان عليه اولاً للزم منه المشقة والضرر بالناس ولخالف قواعد الشريعة المبنية

مسائل فقہیہ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ یا تو نص صریح سے ثابت ہوں جن کو ہم نے اس رسالہ کی فصل اول میں بیان کیا ہے؛ یا اجتہاد و رائے سے ثابت ہوں۔ ان میں سے اکثر مسائل ایسے ہوتے ہیں جن کو مجتہد نے اپنے زمانہ کے رواج کے مطابق قائم کیا تھا حتی کہ اگر وہ (مجتہد) موجودہ رسم و رواج کے زمانہ میں موجود ہوتا تو اپنے ہی قول کے خلاف کہتا۔ اسی بنا پر اجتہاد کے شرائط میں علما نے اس شرط کو بھی داخل کیا ہے کہ مجتہد لوگوں کے رسم و رواج سے واقفیت رکھتا ہو کیونکہ اکثر احکام زمانے کے اختلاف سے بدل جاتے ہیں۔ بوجہ اس کے کہ رواج بدل گیا۔ یا کوئی نئی ضرورت پیدا ہوگئی۔ یا اہل زمانہ بدروش ہوگئے۔ اس صورت میں اگر وہ پہلا حکم باقی رہے تو اس سے

علی التخفیف والتیسیر ودفع الضرر والفساد لبقاءِ العالم علی اتم نظام واحسن احکام۔

لوگوں کو تکلیف وضرر پہونچے اور شریعت کے اُن قواعد کی مخالفت لازم آئے جن کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ مذہبی احکام ہلکے اور آسان ہوں اور اُن کے ذریعہ سے مضرت و خرابی دفع ہوتی ہو۔ تاکہ دنیا نہایت اعلیٰ درجہ کے نظم و نسق پر قائم رہے۔

ولھذا اتری مشائخ المذھب خالفوا مانص علیہ المجتھد فی مواضع کثیرۃ بناھا علی ماکان فی زمانہ لعلمھم بانہ لوکان فی زمنھم لقال بما قالوا بہ۔[۵]

اسی بنا پر تم دیکھتے ہو کہ مشائخ فقہ نے اکثر موقعوں پر مجتہد کے منصوصات سے اختلاف کیا ہے جن کی بنیاد اُس مجتہد کے زمانہ کے حالات کے موافق تھی۔ کیوں کہ مشائخ کو معلوم ہے کہ آج وہ مجتہد اگر خود موجود ہوتا تو وہی کہتا جو انہوں نے کہا۔[۵]

اس کے بعد بہت سی مثالیں بیان کی ہیں جن میں اقتضائے زمانہ کی وجہ سے ایک ہی مسائل کے پہلے کچھ احکام تھے پھر کچھ ہو گئے۔ مثلاً:۔

پہلے مجتہدین کا یہ فتوےٰ تھا کہ قرآن کریم کی تعلیم پر معاوضہ نہ لینا چاہئیے۔ اب فقہا اس کے جواز کا فتوےٰ دیتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ (رضی اللہ عنہ) کا یہ مذہب تھا کہ گواہ کا ظاہر میں ثقہ ہونا کافی ہے بعد میں فتوےٰ یہ ہوا کہ ظاہری ثقاہت کافی نہیں ہے۔ کیوں کہ امام صاحب کے

[۵] نشر العرف۔ طبع دمشق سنہ ۱۳۰۱ھ صفحہ ۸۔

زمانے میں اکثر لوگ ثقہ و عدل ہوا کرتے تھے۔ مگر اب وہ حالت نہیں رہی ؛

پہلے یتیم کے مال میں اُس کے وصی کو مضاربت کا حق حاصل تھا۔ بعد میں اس کو ناجائز قرار دیا گیا ؛

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عورتیں مسجد میں نماز کے لئے حاضر ہوا کرتی تھیں۔ متأخرین نے منع کر دیا ؛

مزارعت۔ معاملت۔ اور وقف میں اب امام ابو حنیفہ کے قول پر عمل نہیں ہے امام ابو یوسف و امام محمد کے قول پر عمل ہے ؛

بیع بالوفا پہلے ناجائز تھی۔ پھر جائز قرار پائی ؛

اسی قسم کی تقریباً سو مثالیں دی ہیں جن میں زمانے کے اختلاف حالت کی وجہ سے احکام فقہی بدل گئے ؛

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسائل فقہیہ کے احکام میں اب بھی تبدیلی درست ہے یا نہیں؟ علامہ شامی اس کے متعلق لکھتے ہیں :۔

فان قلت العرف یتغیر و یختلف باختلاف الزمان فلو طرأ عرف جدید هل للمفتی فی زماننا ان یفتی علی وفقه و یخالف المنصوص۔ وکذا هل للحاکم الآن العمل بالقراین؟ قلت ینبغی هذه الرسالة

اگر تم یہ کہو کہ رواج تو زمانہ کے اختلاف سے بدلتا رہتا ہے۔ اب اگر کوئی نیا رواج نکل آئے تو ہمارے زمانہ کے مفتی کو اس کے موافق فتوے دینا اور منصوصات کی مخالفت کرنا جائز ہے یا نہیں؟۔ اسی طرح آجکل حاکم وقت کو قراین پر عمل کرنا جایز ہے یا نہیں؟ میں اس کے جواب میں کہونگا کہ اس رسالہ پر

علی هٰذہ المسألۃ فاعلم ان للمتأخرین الذین خالفوا المنصوص فی کتب المذھب فی المسائل السابقۃ لم یخالفوہ الا لتغیر الزمان والعرف وعلمھم ان صاحب المذھب لوکان فی زمنھم لقال بما قالوا۔

اس رسالہ کی بنیاد یہی واقع ہوئی ہے تم کو جاننا چاہئے کہ متأخرین نے اُن تصریحات سے جو قدیم کتابوں میں تھیں۔ اختلاف جو کیا تو اسی بنا پر کیا کہ اب زمانہ و رواج بدل گیا ہے۔ انھیں معلوم ہے کہ اگر آج خود قدما موجود ہوتے تو وہی کہتے جو ہم نے کہا ہے[۱]؛

یہاں ایک اور سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ شریعت کے احکام اگر زمانے کے اختلاف سے بدل سکتے ہیں تو اُس کی کوئی حد بھی ہے یا نہیں؟ یہ سلسلہ تو بڑھتے بڑھتے خود فرائض مذہبی تک پہونچ سکتا ہے۔ کیا رسم و رواج زمانہ کے اختلاف سے فرائض و ارکان بھی بدل سکتے ہیں۔ علامہ شامی اس کا جواب دیتے ہیں:۔

ان العرف نوعان خاص وعام وکل منھما اما ان یوافق الدلیل الشرعی والمنصوص علیہ فی کتب ظاھر الروایۃ اولا؟ فان وافقھما فلا کلام فیہ والا فاما ان یخالف الدلیل الشرعی او المنصوص علیہ فی المذھب

رواج کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عام اور ایک خاص۔ ان دونوں کی بھی دو صورتیں ہیں۔ یا تو امام محمدؒ کی چھٹوں کتابوں کی تصریحات کے مطابق وہ رواج ہوں گے یا غیر مطابق ہونگے۔ اگر مطابق ہوں تو کچھ پوچھنا ہی نہیں۔ ورنہ رسم و رواج اگر دلیل شرعی و منصوص مذہبی کے مخالف ہو

[۱] نشر العرف ۳

فنذكر ذلك في بابين۔ الباب
الاول اذا خالف العرف الدليل
الشرعي فان خالفه من كل
وجه بان لزم منه ترك النص
فلا شك في ردّه۔ كتعارف
الناس كثيرًا من المحرّمات
من الربّا وشرب الخمر ولبس الحرير
والذهب وغير ذٰلك مما ورد
تحريمه نصًّا۔ وان لم يخالفه من
كل وجه۔ بأن ورد الدليل
عامًّا والعرف خالفه في بعض
افراده۔ او كان الدليل قياسًا۔
فان العرف معتبرٌ ان كان
عامًّا۔ فانّ العرف العام
يصلح مخصصًا كما مرّ عن التحرير
ويترك به القياس۔[۵]

اور ہر طرح سے مخالف ہو جس کی وجہ سے
نص شریعت کا ترک کرنا لازم آئے
تو اُس کے باطل ہونے میں کوئی شبہ
نہیں۔ جیسا کہ اکثر لوگوں نے بہت سی
حرام چیزوں کا معمول کر لیا ہے۔ مثلاً
ربا۔ شراب۔ حریر۔ اور زری کا
استعمال وغیرہ وغیرہ۔ جن کے حرام
ہونے کی تصریح نص صریح میں موجود ہے
اور اگر کلیتہً نص صریح کا مخالف نہ ہو۔ مثلاً
یہ کہ دلیل عام ہو اور رواج ایک خاص صورت
سے متعلق ہو۔ یا یہ کہ دلیل کوئی نص نہ ہو
بلکہ قیاس ہو۔ تو اس صورت میں
رواج کا اعتبار کیا جائے گا بشرطیکہ
رواج عام ہو۔ رواج سے دلیل شرعی
کی تخصیص بھی اس صورت میں ہو سکیگی
جیسا کہ کتاب التحریر کے حوالہ سے گزر
چکا۔ رواج عام کے مقابلہ میں قیاس
ترک کر دیا جائے گا۔[۵]

---

[۵] نشر العرف؛

اس کے بعد ایک مثال وہی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی جولاہے کو اس شرط پر سوت دے کہ اس کا کپڑا بُن دے اور بجائے نقد اُجرت کے ایک ثُلث کپڑا لے لے تو یہ معاملہ ناجائز ہوگا۔ لیکن چونکہ بلخ میں عموماً اس کا رواج تھا۔ لہٰذا فقہائے بلخ نے اس کے جواز کا فتوےٰ دے دیا۔

ایک اور رسالہ میں اسی مسالہ کے متعلق لکھتے ہیں:۔

فی القنیۃ:۔ لیس للمفتی ولا للقاضی ان یحکما علیٰ ظاہر المذہب ویترک العرف۔ انتھیٰ۔ ونقلہ منہا فی خزانۃ الروایات۔ وھذا صریح فیما قلنا من ان المفتی لا یفتی بخلاف عرف اھل زمانہ[۵]۔

قنیہ میں ہے کہ "مفتی وقاضی کو یہ جائز نہیں کہ ظاہر مذہب پر حکم دیں اور رواج کو چھوڑ دیں"۔ خزانۃ الروایات میں بھی اسی کتاب سے یہ قول نقل ہوا ہے اور یہ صریح ہمارے اس قول کے موافق ہے کہ مفتی کو اپنے زمانہ کے رواج کے خلاف فتوےٰ نہ دینا چاہئے[۵]۔

اس تفصیل سے ہم کو صرف اس قدر ثابت کرنا مقصود تھا کہ شرعی مسائل کے احکام اگر قیاسی و اجتہادی ہوں تو اقتضائے زمانہ کے مطابق اُن میں تبدیلی ہو سکتی ہے خلاصہ یہ کہ شامی نے گو صرف ایک رسم و رواج کی بحث کی ہے لیکن جتنے اصولی باتیں ہیں تو اسی شرط کے مطابق ان میں ہیں اور وسعت تو ہو سکتی ہے۔ اور زکوٰۃ کے مسائل میں تو کوئی شک ہی نہیں ہو سکتا اس لئے کہ تفہیم میں اس کے خرچ کرنے کا شرعی ثبوت موجود ہے۔ اس توسیع کی ہدایت سے مستفید ہو کر اگر ہم چاہیں تو اپنے طرز عمل کو

---

[۵] شرح المنظومۃ لابن عابدین الشامی۔

آیت زیرعنوان (وَفِیْ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ یعنی مسلمانوں کے مال میں مانگنے والے اور محروم دونوں کا حق ہوتا ہے) کی تفسیر بنا سکتے ہیں۔ قوم کے وہ نونہال جو تعلیم میں ترقی کرنے سے محروم ہیں اُن سے زیادہ کس کی محرومی خطرناک ہو سکتی ہے۔ اور اگر اُن کی تعلیم کے لئے مسلمانوں سے مال زکاۃ کا سوال کیا جائے تو کیا اس حَقٌّ السَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ کی مشروعیت میں کسی کو کلام ہوگا۔ وَاللہُ المستعان وبیدہ التوفیق۔

منتخب اور مقبول لٹریچر

دی وکیل ٹریڈنگ کمپنی لمیٹیڈ امرتسر کی علمی و ادبی و تاریخی

جدید کتابیں

آثار اکبری۔ یہ کتاب دار الحکومت فتح پور سیکری اور اُس کے مضافات کی قدیم اور معظم عالیشان اکبر شاہی عمارتوں کی ایک نہایت مفصل تاریخ ہے۔ جس کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ ہندوستان میں مسلمانوں نے کس شان و شکوہ کی عمارتیں تعمیر کی تھیں۔ اُن کا خاص فن تعمیر کس قدر عجیب و غریب اور حیرت ناک تھا۔ جر اثقیل کے علم میں وہ کس قدر ماہر تھے۔ رفاہ عام کی مخصوص تعمیرات میں اُن کی کیسی کیسی شان دار یادگاریں تھیں اور اُنھوں نے واٹر ورکس از خود آب پہنچانے والی مشینیں کیسی اہم ایجاد کی تھیں۔ عمارتوں کے ساتھ بانیان عمارت کے حالات بھی لکھے ہیں۔ کتبے اور شان دار عمارتوں کے نقشے بھی دیئے ہیں ناظرین اس کے مطالعہ سے اس بیسویں صدی میں اکبر و جہانگیر کے عہد کا تمدن بچشم خود دیکھ سکتے ہیں۔ قدیم عظمت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ عبرت خیز کتاب ہے + قیمت دو روپے ... ... (مصور)

اساس الاخلاق۔ اس نام سے خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب ممبر ال کونسل آف ریجنسی بہاولپور نے حال میں ایک ایسی بے نظیر کتاب شائع کی ہے جو ہندوستان کے لیے ایک بالکل نئی چیز ہے۔ اس میں اُن تمام مسائل کی نہایت دل آویزی اور وسیع ترین قابلیت کے ساتھ تشریح کی ہے۔ جن سے اہل ہند کا

اخلاقی پایہ بلند ہو سکتا ہے اور موجودہ تنزل کا زوال ممکن ہے۔ کتاب کی ضخامت ۴۴۷ صفحات کی ہے۔ مگر عام فائدہ رسانی کے لیے محض دو روپے قیمت لکھی گئی ہے

سیاحت ہند۔ یہ کتاب حافظ عبدالرحمٰن صاحب مرحوم سیاح بلاد اسلامیہ کی آخری تصنیفات سے ہے۔ جو انہوں نے ہندوستان میں سات سال سفر کرنے کے بعد شائع کی ہے۔ اس میں ہندوستان کے صوبوں اور شہروں کے حالات چشم دید واقعات تمدنی ترقیات قابل دید مقامات کا تفصیلی بیان نیشنل کانگریس کے قیام۔ موجودہ شورش کی اجمالی کیفیت بعض مشاہیر علماء و امراء کا ذکر۔ ۳۴ عکسی تصویریں اور نقشۂ ہندوستان شامل ہے اردو انگریزی اخبار نویسوں نے اپنی قیمتی رائیں اس کی نسبت لکھی ہیں۔ پنجاب گورنمنٹ نے اس کو پسند فرما کر چار سو روپے انعام عطا کیا اور پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی نے پنجاب کے تمام ورنیکلر مڈل سکولوں کی لائبریریوں کے واسطے اس کا ایک ایک نسخہ خرید کیا ہے۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے ۔۔۔۔۔۔۔۔ (عہ)

فلسفۃ القرآن۔ یورپ نے فلسفہ جدیدہ کے جو اصول وضع کیئے ہیں اور جنکی ایجاد کا زمانہ حال کو دعوے ہے۔ ان سب کے متعلق تنقیدی نظر سے تحقیقات کی گئی ہے اور دکھایا ہے کہ قرآن ان تمام مسائل کو تیرہ سو برس پہلے بیان کر چکا ہے۔ اوّل فلسفہ یورپ کا اصول بیان کیا ہے۔ اور پھر قرآن کی آیت معہ ترجمہ نقل کر دی ہے۔ علمی دنیا کی یہ ایک عجیب و غریب حیرت خیز تالیف ہے۔ قیمت صرف دو آنے ۔۔۔۔۔۔۔۔ (۲ر)

رسوم جاہلیت۔ یعنے زمانۂ اسلام سے پیشتر کے عربوں کی جملہ رسوم کا مفصل تذکرہ۔ جس میں اُن کے عقائد و اعمال۔ عبادات و معاملات۔ اور ان کے میلے و تہوار وغیرہ کے حالات بہ تفصیل تمام بیان کیے گئے ہیں۔ مرتبہ مولانا مولوی نجم الدین صاحب سیوہاری۔ مؤلف سیرۃ الشافعی وغیرہ۔ قیمت ایک روپیہ چار آنے (عہ)

المشتہر منیجر بک ڈپو دکیل ٹریڈنگ کمپنی لمیٹڈ امرتسر

یادداشت درستی اغلاط متعلقۂ تاج ونشان

صفحہ ۹۰ میں نشان اسپین پر لفظ اسپین چھپنے سے رہگیا ہے جگہہ خالی ہی
وہاں لفظ اسپین قلمی بنا لیا جاوے۔

صفحہ ۱ سطر ۱۱۔ فہرست مضامین میں فوجی وردیوں کے نشان کی بجائے
فوجی وردیوں کے نشانات بنایا جاوے۔

اسی صفحہ کی سطر ۱۹ میں بجائے مشاہیر ہند کے مشاہیر ہندوستان بنایا جاوے

صفحہ ۴ سطر ۸ غلطنامہ میں بجائے نمرود جسکا نام کے نمرود نے جسکا نام
لکھا جاوے۔

صفحہ ۴ سطر ۱۴۔ غلطنامہ میں بجائے سلطان مراد خاں رابع تاج سلطان
مراد خاں رابع لکھدیا جاوے۔

صفحہ ۴ سطر ۱۷ غلطنامہ میں مسعود میرزکے بجائے مسعود میرزا بنایا جاوے

اسی صفحہ کی سطر ۱۹ میں عالی کی حب کے بجائے عالی کی جیب لکھا جاوے

التماس

ناظرین ان غلطیوں کو درست فرما کر مولف کو ممنون کریں۔

اعلان

چونکہ کل ریاستہائے ہندوستان کے مہر کے حاصل
ہو سکے اسلئے جسقدر دستیاب ہوئے وہ درج
کتاب ہذا کیئے گئے ناظرین سے التماس ہے کہ اور
جن ریاستوں ہندوستانی یا مشاہیر کے مہر کے
وہ دے سکیں ارسال فرماویں تاکہ تاج و نشان کی
دوسری جلد میں اونکا اندراج ہو۔